یاسمین نشاط
اعتبار کر دیکھوں

ناولٹ

یاسمین نشاط

وہ جیسے ہی تیمیہ کی گھر سے لوٹی برآمدے میں فقیہہ الدین کو برآجمان دیکھ کر اس کا منہ کڑوا ہو گیا۔

"فروا!" وہ زور سے چلائی۔

"جی!" کچن کی کھڑکی سے اس کا سر برآمد ہوا۔

"میرے کمرے میں آؤ فورا"۔" کہتے ساتھ ہی وہ سیڑھیاں چڑھ گئی۔ برآمدے سے پرے امی جان اپنے بیڈ روم کے دروازے میں کھڑی اسے دیکھتی رہیں۔ وہ جانتی تھیں فقیہہ الدین کی آمد اسے دنوں ڈسٹرب رکھے گی۔ لیکن ان کی بھی مجبوری تھی۔ وہ ہولے ہولے چلتی فروا کے پاس آئیں۔ وہ چائے کی پیالی ٹرے میں رکھے باقی لوازمات پلیٹوں میں نکال رہی تھی۔

"بہن کے پاس چلی جا۔ اسے کہنا خفا مت ہو' میری بیماری مجبوری بن گئی ہے۔ ابھی تو میں زندہ ہوں۔ مر گئی تو جیسا بھی ہے' تمہارا باپ ہے۔ سر پر ہاتھ تو رکھے گا۔" وہ فروا سے زیادہ شاید خود کو تسلی دے رہی تھیں۔

فروا نے خاموشی سے سرہلا دیا۔

"آپ چائے پئیں گی؟" ٹرے اٹھاتے ہوئے اس نے پوچھا تو امی جان نے منع کر دیا۔ وہ برآمدے میں آ گئی۔

"تم چائے بناتی ہو یا پائے گلاتی ہو؟" وہ رشنا پانچ منٹ میں ایسی چائے بناتی ہے کہ گھنٹوں منہ میں سواد رہتا ہے اور ادھر چائے پکا پکا کر کالا پانی سامنے رکھ دیا جاتا ہے۔ مہینوں بعد آیا ہوں اور یہ سوکھی سڑی چائے منہ پر ماری جا رہی ہے۔ کرموں جلی! تمہیں اگر میں اتنا ہی ناپسند ہوں تو بلواتی کیوں ہو؟" وہ ہمیشہ کی طرح نان اسٹاپ شروع ہوئے تھے۔ فروا نے جلدی سے ٹرے تپائی پر رکھی اور بھاگ کر اوپر آ گئی۔ ندا منڈیر کے پاس کھڑی اڑتی پتنگوں کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا بات ہے ندا؟" وہ اس کے قریب آ کر بولی تو ندا کی محویت ٹوٹی لیکن اس نے رخ نہیں موڑا۔

"ابا کے آنے سے خفا ہو؟" وہ اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

"ابا مت کہو اس شخص کو' مجھے اس رشتے کی توہین محسوس ہوتی ہے۔" وہ کڑواہٹ سے بولی۔ فروا نے اسے دونوں بازوؤں سے پکڑا اور چارپائی پر بٹھا دیا۔ اور خود بھی ساتھ بیٹھ گئی۔ ندا یونہی ڈولتی پتنگوں کو دیکھتی رہی۔ اسے اپنا آپ بھی کسی پتنگ کی طرح لگتا تھا۔ اس کی سلامتی بھی پتنگ کی طرح تھی۔ جب ڈور کٹی۔ وہ نیچے آ گرتی۔ اسے لگتا امی جان ان کا آسمان ہیں اور وہ ہی ان کی ڈور بھی ان دونوں کا وجود امی جان کے دم خم سے قائم تھا۔

"فروا امی جان ٹھیک تو ہو جائیں گی ناں؟" اس نے بڑی آس اور امید سے چھوٹی بہن سے پوچھا تھا۔

"اللہ کرے گا۔ وہ جانتا ہے نا' ہم امی جان کے بغیر کچھ بھی نہیں تم فکر مت کرو۔ دعا کرو۔" فروا چھوٹی تھی لیکن سمجھ دار بھی اور اکثر وہ ہی بڑی بہن کو سمجھایا بھی کرتی اور بہلایا بھی کرتی۔ ندا کی پریشانی کم نہ ہوئی تھی۔

"یہ جو شخص نیچے آیا بیٹھا ہے نا۔ یہ امی جان کی

بیماری کم نہیں کرے گا بلکہ اپنی تکلیف دہ حرکتوں سے اور بڑھائے گا۔ اور اس کی موجودگی میں تو وہ ٹھیک نہیں ہونے والی۔ تم امی جان سے کہو۔ اسے واپس بھیج دیں۔ ہمیں کسی کی ضرورت نہیں۔" ندا کے اعصاب تنے ہوئے تھے۔ وہ اس شخص کو برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتی ہی نہ تھی۔ وہ اس کا باپ تھا۔ صرف برتھ سرٹیفکیٹ کے خانے میں۔ ورنہ وہ تینوں تو کب کا اس شخص کو اپنی زندگی سے نکال چکی تھیں۔ فروا نے اسے بہلایا۔

"کہہ دیں گی۔ امی جان جانتی ہیں کہ تم ان کی وجہ سے ڈسٹرب ہوتی ہو۔"

"کیا تم نہیں ہوتیں؟" اس نے فروا کی بات کاٹ کر پوچھا تھا۔

"یہ سارا گھر ڈسٹرب ہوتا ہے ندا۔ لیکن ہمیں امی جان کی بات کو بھی سمجھ لینا چاہیے۔ وہ بھی اپنی جگہ درست ہیں۔ نام کا ہی سہی رشتہ تو ہے نا۔ اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ تم زیادہ ٹینشن مت لو۔ وہ خود ہی ایک دو دن میں واپس چلے جائیں گے۔ انہیں

بھی رشنا بیگم کے بنا کہاں چین ہے۔ میں تو حیران ہوں کہ آخر اس عورت نے کیا گھول کر پلا دیا ہے' جو یہ ان کو چھوڑ ہی نہیں رہے۔" فروا کی آنکھوں کی اداسیاں اس کے لہجے میں گھل گئیں تو وہ خاموش ہو گئی۔

"اس عورت کو قصور وار ٹھہرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ خود کیا اتنے کمزور تھے کہ اپنے رشتوں کو بھلا کر اس عورت کے گھٹنے سے لگ کر جا بیٹھے۔ انہیں شرم تک نہیں آئی۔ رشتوں کو پامال کرتے ہوئے۔" ندا کے لہجے میں نفرتیں ہی نفرتیں تھیں۔

"میں تو یہ سوچتی ہوں امی جان کو واپس آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ وہیں رہتیں۔ اس شخص کے پلے تو نہ بندھنا پڑتا۔" فروا کی آنکھوں میں پھر ملال اترا تھا۔

"چلو نیچے چلیں۔ کچھ کھانے کا کریں ورنہ پھر اس شخص کا پارہ چڑھا تو سارا محلہ سنے گا۔" ندا نے کہا تو دونوں اٹھ کر نیچے آگئیں۔ فقیہہ الدین برآمدے سے ٹی وی لاؤنج میں منتقل ہو چکے تھے اور اپنا فیورٹ چینل لگائے محو تھے۔ امی جان مغرب کی نماز کی تیاری کر رہی تھیں۔ فروا بھی وضو کرنے چلی گئی۔ جبکہ ندا کچن میں آ گئی۔

"ندا نماز پڑھ لینا!" امی نے اسے کچن میں گھستے دیکھ کر آواز لگائی تھی جسے وہ ان سنی کر گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

زندگی اتنی بھی خوب صورت ہو سکتی ہے اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ وہ دو بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی اور لاڈلی بھی۔ اماں' ابا' بھائی سب ہی تو اس کی خواہشیں پوری کرنے میں لگے رہتے۔ وہ تھی بھی تو کسی کانچ کی گڑیا جیسی۔ جو دیکھتا بے ساختہ پیار کرنے کو مچل جاتا۔ آج تک اس کی ہر خواہش پوری ہوئی تھی۔ جس چیز پر اس نے نظر ڈالی۔ زبان ہلانے سے پہلے اس کی دسترس میں آجاتی۔ لیکن اس قدر محبت اور توجہ نے بھی اس کا دماغ خراب نہیں کیا تھا۔ وہ جہاں جاتی اپنے اطوار' اپنی گفتگو سے سب کا دل موہ لیتی۔ بڑی ہوئی وہ ایک آئیڈیل پیکر میں ڈھل گئی۔ ہر کوئی اسے اپنی بہو' بھابھی بنانے کا خواہاں تھا۔ ابا نے رائے پوچھی۔ وہ چپ کر گئی۔

"اگر تو کسی کو پسند کرتی ہے تو بھی بتا دے۔ ہم تیری مرضی کے خلاف نہیں جائیں گے۔" اماں نے اسے ٹٹولا تھا۔

"نہیں اماں ایسی کوئی بات نہیں لیکن...." وہ کچھ بولتے بولتے چپ کر گئی۔ تصور میں کوئی تھا تو سہی لیکن کس حد تک یہ وہ نہ جان پائی تھی۔

"لیکن کیا' بیٹا جو دل میں ہے کھل کر کہو۔ تمہارے ابا نے مجھے اسی لیے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ اگر تمہاری اپنی کوئی پسند ہے تو بتا دو۔"

"اماں پسند نہیں۔ لیکن میں... میرا مطلب ہے۔ وہ جو نادرہ پھوپھو کے بیٹے ہیں نا شہریار.... وہ بس اچھے لگتے ہیں۔" اس نے جھجکتے ہوئے بتایا تھا۔ نادرہ پھوپھو درحقیقت ابا میاں کی پھوپھو تھیں' لیکن وہ سب بھی انہیں پھوپھو ہی کہا کرتے تھے۔

"شہریار! لیکن ان کی طرف سے ایسا کوئی اشارہ نہیں۔ شاید اس لیے کہ وہ رشتے میں تمہارے چچا لگتے ہیں۔" اماں سوچ میں پڑ گئی تھیں۔

"سگے تو نہیں۔" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا تھا۔

"میں تمہارے ابا سے کہتی ہوں۔ وہ پھوپھو سے بات کر دیکھیں۔" اماں اٹھ گئیں لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ نادرہ پھوپھو خود سوالی بن کر چلی آئیں کہ' شہریار خود زرش کو پسند کرتے تھے اور بہت پہلے ماں کو اپنی پسند سے آگاہ بھی کر چکے تھے اور نادرہ بیگم' زرش کی تعلیم مکمل ہونے کے انتظار میں تھیں۔

اماں نے ابا کو زرش کی پسند کے بارے میں بتا دیا تھا۔ یوں نہایت خوش اسلوبی سے یہ رشتہ طے پا گیا۔ اور شہریار چونکہ تین سال کے لیے کمپنی کی طرف سے انگلینڈ جا رہے تھے اس لیے آناً "فاناً" ان دونوں کا نکاح ہوا' اور یوں شہریار نے تین ماہ بعد زرش کو بھی اپنے پاس بلا لیا۔

زندگی ایک دم ہی بے حد حسین ہو گئی تھی۔ شہریار

بہت زیادہ کیئرنگ اور لونگ تھے۔ زرش کا اس طرح خیال رکھتے جیسے وہ کوئی کانچ کی گڑیا ہو۔ ان کی زندگی میں کسی فکر یا پریشانی کا گزر نہیں تھا۔ زرش ہر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی کہ اس نے ایک بہترین انسان کی ہمراہی اسے بخشی تھی اور جس دن ننھی حوریہ نے ان کی زندگی میں قدم رکھا وہ دونوں سرشار ہو گئے۔ حوریہ بھی ماں کا پرتو تھی۔ گوری چٹی، شہریار کی بھرپور توجہ کا مرکز بن گئی تھی وہ۔

☆ ☆ ☆

"یہ کھانا پکا ہے؟" فقیہہ الدین نے ٹرے اٹھا کر پھینکی جو سامنے دیوار سے ٹکراتے ہوئے زمین بوس ہو گئی سالن، چپاتیاں، سلاد ادھر ادھر بکھر گئے، شیشے کا گلاس چکنا چور ہو گیا۔ فروا نے کچن کی کھڑکی سے سب دیکھا پھر خاموشی سے آکر سمیٹنے لگی۔ اندر بیٹھی امی جان کی آنکھیں لبریز ہو گئیں۔ کتنے سال بیت گئے تھے لیکن اس شخص کے رویے میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ جانے کیسی نفرت تھی اس کے من کے اندر جو کسی طور نکلتی ہی نہیں تھی۔ ابا کا فرمان شروع ہو گیا۔

"تم دونوں بھی اپنی ماں کی طرح نکمیاں ہو۔ سارا دن ٹیلی ویژن پر انڈین ڈرامے دیکھ لیے اور بس اور وہ دوسری ہے جسے سارا دن آوارگیوں سے ہی فرصت نہیں۔ میں نے کہا کرموں جلی! کچھ خبر بھی ہے کہ تمہاری نوجوان بیٹی یہ فیشنی کپڑے اور میک اپ سے لد کر جاتی کہاں ہے؟" پر کیوں! تم کیوں خبر رکھنے لگیں تمہیں تو خود سارا دن سوائے اپنے دکھڑے رونے کے فرصت نہیں ۔ تم کیا کرو گی بیٹیوں کی تربیت؟ دو فرنگیوں کے حوالے کر آئیں، وہ یہاں چھوڑ دیں اپنی آوارگیوں کا بازار سجانے کے لیے۔ میں باز آیا یہاں رہنے سے۔ جا رہا ہوں میں اور اب تم مر بھی جاؤ تو مجھے مت پکارنا۔ یہ قدر ہوتی ہے تمہارے یہاں میری۔ مہینوں بعد آؤ تو بھی کسی کا منہ سیدھا نہیں ہوتا کوئی کھانے تک کو نہیں پوچھتا۔۔۔" بولتے بولتے ہی فقیہہ الدین نے اپنا سامان سمیٹا تھا اور چوکھٹ کے ساتھ سہمی کھڑی ندا اور فرش پر سے برتن سمیٹتی سمیٹتی رک جانے والی فروا، دونوں پر قہر آلود نظریں ڈالتے وہ دھاڑ سے دروازہ کھولتے نکلتے چلے گئے تھے۔

امی جان کی دبی سسکیاں لبوں کو توڑ کر آزاد ہوئی تھیں۔ ندا لبریز آنکھوں کو دونوں ہتھیلیوں سے رگڑنے لگی تھی اور فروا سوچ رہی تھی کاش نفرت ناپنے کا کوئی پیمانہ ہوتا تو، وہ فقیہہ الدین کو بتاتی کہ وہ اس سے کئی گنا نفرت کرتی ہے۔

فقیہہ الدین کے جانے کے بعد شام تک گھر میں افسردگی چھائی رہی۔ کسی نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ امی جان بھی چادر اوڑھے لیٹی رہی تھیں۔ فروا اپنی کتابیں کھول کر بیٹھ گئی تھی اور ندا کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو رہا تھا، سو ایسے میں وہ ہمیشہ کھلے آسمان کے تلے آجایا کرتی۔ شام پھیل رہی تھی۔ دور افق میں ڈوبتے سورج نے ماحول کی اداسی اور خاموشی سوا کردی تھی۔ آج پرندے بھی سرشام ہی گھروں کو لوٹ گئے تھے کہیں کوئی آواز نہیں تھی۔ وہ بلا مقصد منڈیر سے نیچے گلی میں جھانکنے لگی۔ گلی میں کرکٹ کھیلنے والے بچے اب اپنے کھیل کا اختتام کیے اپنے گھروں کی طرف جا رہے تھے ہر بات، ہر کام کا اختتام ہوتا ہے پھر ان کی تکلیفوں، دکھوں کا اختتام کیوں نہیں ہو رہا؟" اس نے بے اختیار سوچا تھا۔ کیسی بے مقصد زندگی تھی ان لوگوں کی۔ غموں اور دکھوں سے بھرپور۔ اور جو بھی وہ ماں بیٹیاں ان غموں کو بھلا کر ہنسنا چاہتیں تو فقیہہ الدین کو جانے کیسے خبر ہو جاتی۔ وہ ان کی ہنسی کو ملیا میٹ کرنے چلے آتے۔

☆ ☆ ☆

حوریہ کے بعد زارا اس دنیا میں آئی اور پھر معید۔ ان کی فیملی مکمل ہو گئی۔ معید کی دفعہ تو وہ بہت کمزور تھی اور پھر کچھ پیچیدگیاں ایسی تھیں کہ سی سیکشن کرنا پڑا۔ وہ ہسپتال سے گھر آئی تو شہریار نے کانوں کو ہاتھ لگا لیے۔

"بس بھئی مجھے اور بچے نہیں چاہئیں۔ تمہاری حالت دیکھ کر تو میں ڈر ہی گیا تھا۔ خدانخواستہ تمہیں کچھ ہو جاتا تو بھی یہ بچے میں کیسے سنبھال پاتا۔" شہریار کے لہجے میں محبت تھی۔

"بس ان بچوں کے لیے!" وہ کبیدہ خاطر ہوئی تھی۔

"ہاں تو۔ اب ہماری دنیا تو یہ بچے ہی ہیں۔" شہریار نے شرارت سے اسے دیکھا تھا۔ وہ رونے کو تیار تھی۔

یعنی میں کچھ نہیں....؟" شہریار نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چوم لی۔

"پگلی ہم سب ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ میں، تم.... یہ بچے۔ مل کر ہی تو فیملی بنتے ہیں۔ اور یہ سب میں نے نہیں اماں جان نے کہلا بھیجا ہے۔ انہیں اپنی بہو کی زندگی عزیز ہے، وہ تم سے پیار بھی تو بہت کرتی ہیں۔" شہریار نے رسان سے کہا تو وہ مسکرا دی۔

"اس میں کوئی شک نہیں پھوپھو واقعی مجھے ماں کی طرح چاہتی ہیں اور شہریار میرے دل میں بھی ان کے لیے بہت عزت اور احترام ہے۔"

"ہاں جانتا ہوں، تبھی تو تم ساس کو زیادہ اور ماں کو کم فون کرتی ہو۔ بھابھی کا یہ شکووں بھرا فون آیا تھا کہ تم اپنی خیر خیریت کی اطلاع بھی مہینوں بعد دیتی ہو اور بھائی جان الگ خفا ہو رہے تھے۔" شہریار نے ننھے معید کو پیار کرتے ہوئے زرش کے پہلو میں لیٹی اپنی دونوں بیٹیوں کو بھی محبت پاش نظروں سے دیکھا اور ساتھ میں اپنی ساس سے ہونے والی شکووں شکایتوں سے بھرپور گفتگو کا لب لباب زرش کو سنایا۔

وہ امی اور ابا کی محبتوں سے واقف تھی وہ جانتی تھی وہ اسے بہت یاد کرتے تھے۔ لیکن وہ جان بوجھ کر انہیں مہینوں فون نہیں کرتی تھی۔ وہ جو پل بھر ان سے دور نہیں رہی تھی اب تین سالوں سے انہیں دیکھ تک نہ پائی تھی اور جس دن اس کی اماں سے یا ابا سے بات ہوتی وہ پہروں چھپ چھپ کر روتی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے آنسو شہریار دیکھیں سو مضبوطی کا خول چڑھائے وہ شہریار کی زبانی ہی ان کی خیریت معلوم کر کے دل کو تسلی دے لیا کرتی۔

حوریہ اب دو سال کی ہو گئی تھی اور تتلا کر باتیں کرنے لگی تھی جبکہ زارا اور معید تو نو ماہ کا فرق ہونے کے باوجود جڑواں ہی لگتے تھے۔ معید تو خیر ویسے ہی ویک تھا۔ زارا کی صحت بھی کچھ خاص نہیں تھی کھانے پینے کے معاملے میں وہ دونوں ہی ایسے تنگ کرتی تھیں۔ تین ننھے بچوں کو سنبھالنا پھر گھر کا سارا کام وہ تھک جاتی اور رات کو جب بستر پر لیٹتی تو بدن پھوڑے کی مانند دکھ رہا ہوتا۔ میڈ ہفتے میں ایک بار آ کر صفائی کر جاتی پھر بھی روز کا بکھراوا اس قدر ہوتا کہ وہ ہلکان ہو جاتی۔ ایسے میں شہریار کی محبت اسے پھر سے تازہ دم کر دیتی اور وہ اگلے دن کے لیے تیار ہو جاتی لیکن دل ہی دل میں وہ واپس پاکستان جانے کے دن گن رہی تھی لیکن شہریار کی کمپنی نے مزید دو سال بڑھا دیے۔

"شہریار نہیں!" وہ بے بسی سے یہ خبر سن کر چلائی تھی۔

شہریار نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ اسے شاید اس رد عمل کی توقع نہیں تھی۔

"کیا ہوا تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟"

"میں تو شہریار واپس جانے کے دن گن رہی ہوں دو مہینے دس دن.... اوہ نو.... مزید دو سال.... میں کیسے مینیج کر رہی ہوں آپ کو نہیں پتا۔ سارا دن اکیلی ان تین بچوں کو سنبھالتی ہوں ایک کو بھوک، ایک کو پیاس ایک کو واش روم.... اور ابھی بیٹھتی بھی نہیں کہ کام وہیں سے پھر اسٹارٹ ہو جاتا ہے۔ سچ پاکستان میں بڑی سہولتیں ہیں۔ ملازمائیں مل جاتی ہیں۔ پھر نانی، دادی ہوتی ہیں بچوں کا خیال رکھنے کے لیے۔ ایک ماں کو اتنا ہلکان نہیں ہونا پڑتا اور شہریار یہ تو جڑواں بچوں والا حال ہے۔ حوریہ بڑی ہے لیکن تنگ کرنے میں ان دونوں سے آگے، سارا دن مجھے فکر رہتی ہے، کہیں کچھ اٹھا کے منہ میں نہ ڈال لے۔ سیڑھیوں سے نہ گر جائے کسی سوئچ بورڈ کو ہاتھ نہ لگا دے۔ کچن میں نہ چلی جائے۔ سچ میں، میں بہت اپ سیٹ ہو رہی ہوں۔"

شہریار اس کی پریشانیوں کی لمبی لسٹ سن کر ہنسنے لگا۔ زرش نے غصے سے دیکھا تو وہ سنجیدہ ہو کر بولا۔

"یہ تو واقعی پریشان کن حالات و واقعات ہیں۔ تم ایسا کرو پاکستان چلی جاؤ۔ کچھ عرصہ کے لیے نانیاں دادیاں تمہیں بچے پالنا اور سنبھالنا خوب سکھا دیں گی۔" شہریار کی بات سن کر اس کا چہرہ کھل اٹھا لیکن اگلے ہی پل وہ بجھ سی گئی۔ "میں چلی گئی تو آپ کیا کریں گے۔ اکیلے اکیلے رہیں گے؟"

"ارے بھئی میں تو شکر کروں گا۔ کچھ دن آزادی کی سانس لوں گا۔ مزے سے زندگی گزاروں گا۔" وہ پھر ہنسنے لگا۔

"شہریار...!" اب کہ وہ بھی ہنس دی تھی اور شہریار اگلے ہی دن اسے واپس بھجوانے کی تیاریوں میں لگ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"زندگی... جیسے سزا نہیں ہوتی' ویسے کاٹ رہے ہیں ہم" ندا نے نبیہہ سے اپنے دل کا حال کہا تھا' نبیہہ نے اسے ہمدردی سے دیکھا۔ وہ اس کی بے حد مخلص دوست تھی ہر اچھے برے وقت میں کام آنے والی اور وہ حقیقتاً" اس سے پیار بھی کرتی تھی اور اسے پیار کرنے کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ وہ اس کے راج دلارے بھائی کی پسند بھی تھی اور یہ بات بکر بھائی نے کچھ روز قبل اسے خود سنائی تھی' جسے سن کر وہ اچھل پڑی تھی۔

"کیا واقعی... مگر کس حد تک آپ اس سے فلرٹ وغیرہ تو کرنا نہیں چاہ رہے۔ تو نہیں اور سہی' اور سہی' اور سہی؟" اس نے مشکوک نظروں سے بھائی کو دیکھا تھا۔ بکر نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"جوان بہن کا بھائی ہوں۔ کسی کی عزت اچھالنے کا سوچ بھی کیسے سکتا ہوں۔ میں اسے بچپن سے پسند کرتا ہوں۔ تمہیں یاد ہے نا جب آٹھویں کلاس میں تم دونوں کو میتھس پڑھایا تھا۔ تب سے اور اب تو یہ پسندیدگی محبت میں ڈھل گئی ہے۔ میں تمہیں اب بھی یہ بات نہیں بتاتا۔ لیکن مجھے پتا چلا ہے کہ انکل ندا کے لیے رشتہ پسند کر رہے ہیں۔"

"کیا...؟" وہ اس کی بات کاٹ کر چلائی تھی۔

"انکل یعنی ندا کے والد صاحب... آپ کو کیسے پتا چلا؟"

"جس لڑکے کو انکل نے ندا کے لیے پسند کیا ہے اس نے بتایا... مجھے یہ بات کہنی تو نہیں چاہیے۔ تم لوگ کہیں غلط مطلب نہ نکال لو۔ لیکن یہ سچ ہے' ان دونوں بہنوں کے لیے جو لڑکے انکل نے پسند کیے ہیں' وہ دونوں انتہائی آوارہ ہیں اور بڑا تو ڈرگز لینے کا بھی عادی ہے اور اس کی یہ عادت آخری اسٹیج تک پہنچ چکی ہے۔ وہ کبھی بھی موت کا شکار ہو سکتا ہے۔" ابوبکر انتہائی فکرمندی سے بتا رہے تھے۔

"انکل اپنی بیٹوں کی خیر خواہی کا تو خیر سوچ بھی نہیں سکتے۔" نبیہہ فکرمندی سے بولی تھی۔

"لیکن یہ رشتہ تو میں بھی نہیں ہونے دوں گی۔ ساری زندگی عذاب میں کاٹنے کے بعد بھی سکون کا ایک پل نہ ملے تو کیا فائدہ ایسی زندگی کا۔" اس نے فوری طور پر تو ندا کو کچھ نہ بتایا' ہاں اماں سے بات کرلی اور انہیں بھائی کی پسند سے آگاہ بھی کر دیا۔ اماں خوش ہوئیں لیکن پھر کچھ سوچ کر بولیں۔

"نبیہہ تیرے ابا نہیں مانیں گے تو تو جانتی ہے وہ اپنے اصولوں کے کتنے پکے ہیں۔ اور فروا کے والد کو تو ویسے بھی پسند نہیں کرتے۔ وہ ہی کیا' سارا محلہ ان کی کرتوتوں سے واقف ہے۔ اور ان سے میل جول رکھنا بھی کوئی پسند نہیں کرتا۔" اماں کی تمام باتیں سچی بھی تھیں اور حوصلہ شکن بھی۔

"آپ بات تو کریں۔ اور پھر اس میں ندا یا اس کی امی اور بہن تو قصوروار نہیں' وہ تو خود ان کی وجہ سے پریشان ہیں اور ان کو گھر میں نہیں گھسنے دیتیں۔ آپ ابا کے خیالات بھائی کی پسند بتا کر جاننے کی کوشش کریں کیا پتا وہ بھائی کے لیے مان جائیں۔ اماں ندا بہت اچھی لڑکی ہے... آپ لوگوں کی عزت کرے گی۔" امید نبیہہ نے بھی نہیں چھوڑی تھی۔ لیکن اس نے ابھی

ندا کو بھی کوئی امید نہیں دلائی تھی۔
"ابا نے خیر سے میرے اور فروا کے لیے بہترین لڑکے ڈھونڈ لیے ہیں۔" ندا نے خبر سنائی تھی۔ جبکہ نبیہہ اس کا منہ تکنے لگی تھی۔ وہ کیا کہے کہ وہ یہ بات جانتی ہے۔ اگر ندا کو پتا چل جاتا تو وہ خفا ہو جاتی کہ اس نے یہ بات چھپائی کیوں؟
"تائی جان کے دونوں لڑکے 'گنی پیٹے۔ اب رشنا بیگم نے نیا کھیل رچایا ہے۔ مرکیوں نہیں جاتی یہ عورت اور اگر یہ نہیں مرتی تو پھر ہم ماں بیٹیوں کو ہی موت آجائے۔ یہ روز روز کا عذاب۔" ندا کچھ زیادہ ہی دلبرداشتہ ہو رہی تھی۔
"ایسا کیوں سوچتی ہو!" نبیہہ نے اسے اپنے ساتھ لگایا۔
"میں سچ میں بہت زیادہ تنگ آچکی ہوں۔ آخر ہمارا قصور کیا ہے۔ سب کچھ رشنا بیگم کو اپنے نام کروا کر بھی سکون کیوں نہیں آرہا۔ ہم باپ کے ہوتے ہوئے یتیموں کی سی زندگی گزار رہے ہیں' میری ماں.... ہنسنا بھول گئی ہے۔ ایسے ہوتے ہیں.... باپ ایسے ہوتے ہیں جیون ساتھی.... مجھے تو اس رشتے سے ہی نفرت ہو گئی ہے۔ اذیت' ذلت' بے بسی۔ رات جب وہ ماں کی پٹائی کر رہا تھا۔ تو میرا دل چاہ رہا تھا میں اس شخص کو قتل کر دوں' جو ایک بیمار اور کمزور بیوی پر ہاتھ اٹھا رہا ہے اور تم دیکھ لینا ایسا ہو جائے گا کسی دن۔ بیس سالوں سے ہم برداشت کر رہے ہیں یہ سب وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ نبیہہ اس کے دکھ کو سمجھ سکتی تھی۔ لیکن وہ بے بس تھی کاش وہ اس کے لیے کچھ کر سکتی۔ اس نے ابا جان سے خود بات کرنے کا ارادہ کر لیا۔ کوشش کرنے میں کیا حرج تھا۔

☆ ☆ ☆

اس نے ڈھیروں شاپنگ کر لی تھی سب کے لیے' بے شمار تحائف خریدے تھے۔ وہ حقیقتاً" بہت خوش تھی اور شہریار اس کو یوں خوش دیکھ کر چھیڑنے لگتے۔
"تم مستقل اماں کے پاس ہی رہ لو اتنی خوش ہو مجھ سے الگ رہنے پر' میں اپنا پیریڈ مکمل کر کے لوٹ آؤں گا۔"
"ہاں میں بھی کچھ ایسا ہی سوچ رہی ہوں۔" وہ بھی شرارت بھری سنجیدگی سے بولی۔ "اب آپ کے پاس تو ویسے ہی ٹائم نہیں ہمارے لیے' وہاں کم از کم اماں جان تو ہیں۔ یہ تین تین بچے سنبھالنے میں میری مدد تو کریں گی۔"
"اور جو ادھر میرا ارادہ کچھ اور بن گیا تو...." انہوں نے شرارت سے آنکھیں مٹکائی تھیں۔
"مجھ سے اچھی بیوی آپ کو مل ہی نہیں سکتی۔" زرش کے لہجے میں اعتماد' محبت' یقین سب کچھ تھا۔ شہریار کچھ بولے نہیں بس مسکرا دیے تھے۔ اس کا یہ یقین بے جا نہیں تھا۔
دو دن بعد ان کی فلائیٹ تھی اور اس رات شہریار انہیں ڈنر کروانے لے آئے تھے۔ اس رات موسم بھی بے حد اچھا تھا۔
"پھر جانے اکٹھے بیٹھ کر کب کھانا نصیب ہو؟" شہریار نے آرڈر کرتے ہوئے اس کے خوب صورت سراپے پر بھرپور نظر ڈالی تھی۔
"کیوں؟" زرش کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا تھا۔
"بس مجھے لگ رہا ہے اب کی بار تم اماں کو اکیلی چھوڑ کر نہیں آؤ گی اور مجھے یہاں اکیلے ہی تین برس کاٹنا ہوں گے۔" شہریار سنجیدگی سے بولے تو وہ ہنس پڑی۔
"صرف آپ ہی نہیں۔ شہریار میں بھی آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔" اس نے پہلی بار کھل کر اعتراف کیا تھا۔
"واقعی!" شہریار کا چہرہ اس اعتراف سے جگمگا اٹھا تھا۔
"ہوں!" ایک شرمگیں مسکراہٹ نے اس کے خوب صورت لبوں کا احاطہ کر لیا تھا۔ اور شہریار نے اندر تک اس کا یہ روپ سمویا تھا۔

☆ ☆ ☆

"سن لیں آپ میں ایسی آوارہ سے ہرگز ہرگز شادی نہیں کروں گی" وہ چلائی تھی اور فقیہہ الدین نے اس کو بالوں سے پکڑ کر کھینچا تھا۔

نامراد' بدچلن باپ کے آگے زبان چلاتی ہے۔ یہ تمیز سکھائی ہے تجھے تیری ماں نے 'تیرے دیدوں کا پانی ڈھل گیا ہو گا۔ لیکن میں ابھی زندہ ہوں۔ میں دیکھتا ہوں تو' آج کے بعد گھر سے کیسے قدم نکالے گی۔ ذبح نہ کردیا تجھے اور تیری ماں کو تو نام بدل دینا میرا۔" اسے زور دار جھٹکے دیتے ہوئے زور سے دھکیلا تھا۔

نتیجتا" وہ کھلی کھڑکی کے کونے سے جا ٹکرائی۔ درد کی شدید لہر اٹھی تھی کمر میں 'لیکن یہ درد اس درد سے کہیں کم تھا جو فقیہہ الدین کی صورت ان پر مسلط تھا۔ اس نے دوپٹے سے اپنا چہرہ صاف کیا اور پھر جانے کہاں سے اتنی ہمت اس کے اندر آئی کہ' وہ فقیہہ الدین کے روبرو آکھڑی ہوئی۔ فقیہہ الدین نے دوبارہ مارنے کے لیے ہاتھ بلند کیا ہی تھا کہ ندا نے فضا میں ہی اسے روک لیا۔ وہ اس کی جرات پر دنگ رہ گئے اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے۔ ندا نے لپک کر میز پر سے چاقو اٹھا لیا۔

"ندا!" فروا خوف زدہ ہو کر اس کی طرف بڑھی امی جان نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا "وہیں رک جاؤ فروا!" وہ چلائی۔ "ورنہ میں اپنے ساتھ ساتھ سب کو ختم کر ڈالوں گی۔" فقیہہ الدین کے تو چہرے کا رنگ ہی اڑ گیا تھا۔ ندا سے اس بہادری کی توقع نہ تھی انہیں۔

"یہ... یہ غلط ہے۔ ندا۔" فروا رونے لگی۔

"ہاں غلط ہے یہ سب۔ یہ سب ہی غلط ہے۔ اس شخص کا یہاں ہونا تمہارا اور میرا اس شخص سے رشتہ' ماں کا اس بدکردار شخص سے رشتہ جوڑنا۔ سب ہی غلط تھا۔ اگر یہ رشتہ صحیح ہوتا تو یہ شخص ہمیں سزا کیوں دیتا۔ ماں نے تو صبر کے گھونٹ پی رکھے ہیں' لیکن میں نے نہیں۔ اب مزید اس شخص کا ظلم نہیں سہوں گی میں اور دیکھ ماں...." وہ امی جان کی طرف پلٹی تھی۔ وہ دہلیز تھامے تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ ندا کیا کرنے چلی تھی...؟

"آپ کو... ابھی اسی وقت اس شخص سے طلاق لینا ہوگی' ختم کرنا ہوگا اس رشتے کو جس نے سوائے دکھ اور اذیت کے آپ کو کچھ نہیں دیا۔" امی نے دہل کر اسے دیکھا۔ یہ وہ کیا کررہی تھی؟ کیا کہہ رہی تھی؟ اس عمر میں وہ اپنے سر پر خود ہی خاک ڈال لیتیں کیا؟"

"امی پلیز جان چھڑالیں اس شخص سے۔" وہ ملتجی ہوئی تھی۔ تبھی فقیہہ الدین نے آگے بڑھ کر اس پر قابو پالیا اور چاقو اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

"تو مارے گی مجھے؟" وہ غرائے تھے' فروا اور امی جان تھر تھر کانپنا شروع ہو گئیں۔

"میں ماروں گا تجھے۔ ٹکڑے ٹکڑے کرکے۔" انہوں نے چاقو اس کی گردن پر رکھ دیا۔ ایک لمحے کو جان جانے کے خوف نے اسے لرزایا' لیکن اگلے ہی پل وہ بے خوفی سے فقیہہ الدین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔

"کریں نا... احسان ہو گا آپ کا مجھ پر۔" وہ زہر خند ہوئی تھی۔ "ٹکڑے ٹکڑے ہو کے جینا کسے کہتے ہیں' یہ اب تجھے پتا چلے گا اور تیری ماں کو بھی۔" وہ دانت پیستے' اسے پرے دھکیل کر باہر نکل گئے۔ امی جان کے لبوں سے سکون کی سانس خارج ہوئی۔ انہوں نے بھاگ کر ندا کو اپنے ساتھ لگالیا۔

"یہ کیا کرنے چلی تھی تو پگلی۔ مرد جیسا بھی ہو الزام عورت کو ہی سہنا پڑتا ہے۔ خدانخواستہ اگر کچھ ہو جاتا تو... میں تو دونوں صورتوں میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتی۔" وہ رونے لگیں فروا بھی ان کے ساتھ آکر چمٹ گئی۔ اس کی آنکھیں بھی نم تھیں۔ لیکن ندا کسی بت کی طرح کھڑی رہی۔ اسے رونا نہیں آرہا تھا لاکھ چاہنے کے باوجود بھی۔

☼ ☼ ☼

"آپ مجھے یاد تو کریں گے نا؟" کل سے کوئی دسویں بار وہ پوچھ رہی تھی۔ شہریار نے دونوں کندھوں سے پکڑ کر اپنے سامنے کھڑا کیا اور پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

بھول جانے کا بھی تصور میں کیسے کر لوں
میری ہر سانس وابستہ ہے تیری یاد کے ساتھ

"تو جان! تمہیں اس دن ہی بھولوں گا' جب سانس لینا بھولوں گا۔ اس کے علاوہ تو نہیں۔ تم بس خیال رکھنا۔ اپنا بھی اور میرے بچوں کا بھی۔" پتا نہیں کیوں اس کا دل بے چین بھی تھا اور اداس بھی' وہ رہ رہ کر شہریار کا چہرہ تک رہی تھی۔ "شاید شادی کے بعد پہلی بار جدا ہو رہے ہیں اس لیے۔" اس نے خود کو بہلایا تھا۔ لیکن دل تھا کہ مچل رہا تھا۔ ہمک رہا تھا حتی کہ جہاز میں بیٹھتے ہوئے بھی اس کا دل واپس لوٹ جانے کو چاہ رہا تھا۔ لیکن وہ اس پر بھی عمل نہ کر سکی۔ اگر شہریار اس کے دل کے حالات جان جاتے تو کیسا مذاق اڑاتے ۔اس کے ذہن میں ایک بار پھر شہریار کا عکس ابھرا تھا۔

"اماں جان۔" وہ پھوپھو کی گلے لگ کر سسک اٹھی۔

"ارے میری جان!" انہوں نے اسے چوم لیا۔

اسے ایئرپورٹ لینے پھوپھو کے بھتیجے آئے تھے جو کہ شروع سے ہی پھوپھو کے پاس رہے تھے۔ لیکن پچھلے کچھ سالوں سے ان میں اور ان کے بھائی کے درمیان رنجش چلی آرہی تھی۔ اس لیے وہ واپس اپنے گھر چلے گئے تھے۔ پھوپھو کے تعارف کروانے پر بھی اس شخص نے نظر نہیں اٹھائی تھی۔ وہ دل ہی دل میں ان کی شرافت اور نیک طبیعت کی قائل ہو گئی تھی۔

وہ ساری رات انہوں نے جاگتے' باتیں کرتے گزاری۔ پھوپھو نے بھرپور ساتھ دیا بار بار بچوں کو لپٹاتی' پیار کرتیں' پھر شہریار کو یاد کرنے لگتیں۔ اگلے دن وہ پھوپھو کے ہمراہ ہی امی ابا کو ملنے گئی۔ دونوں بھائی اور بھاوج بھی اسے مل کر خوش ہوئے۔

امی تو اسے گلے لگا کر رو ہی پڑیں اور وہ بھی کتنا ضبط کرتی آرہی تھی۔ سال کے سینے سے لگ کر ساری تشنگیاں مٹانے کا موقع ملا تھا اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھا رہی تھی۔ اس کا تین دن ادھر رکنے کا پروگرام تھا۔ پھوپھو بھی اس کے ہمراہ ہی تھیں۔ تین دن کیسے گزر گئے اسے پتا ہی نہ چلا' سب بچوں میں اس قدر مگن تھے اور وہ ان سب میں کہ وہ دن شہریار کو فون ہی نہ کر سکی۔ اور عجیب اتفاق تھا کہ خود شہریار نے بھی رابطہ نہ کیا تھا۔

"ناراض ہو گئے ہوں گے۔" اس نے مسکراتے ہوئے سوچا۔

"چلو **معید** کو سلا لوں' پھر فون کرتی ہوں سکون سے۔" اس نے **معید** کو تھپکتے ہوئے پلان کیا اور اسے سلاتے سلاتے اسے خود بھی نیند سی آگئی اور تبھی اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے بہت عجیب سا خواب دیکھا تھا۔ لوگ' خون' سفید کپڑے۔۔۔ شور' رونا پیٹنا۔ وہ ایک جھٹکے سے بے دار ہوئی تھی۔ اس کی پیشانی عرق آلود تھی اس نے دوپٹے سے اپنا چہرہ صاف کیا اور خواب کی کیفیت سے باہر نکلنے کی کوشش کرنے لگی۔

"شہریار!" اس نے بے آواز پکارا تھا۔ اور پھر اس کی ساری پکاریں جیسے بے اثر ہو گئی تھیں۔

✡ ✡ ✡

"تم جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو؟" ابو جان نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"جی ابو!" اس نے پھر سے حوصلہ مجتمع کیا تھا۔

"کیا اس لیے کہ وہ تمہاری دوست ہے؟" وہ اسے کھوجتی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"نہیں اس لیے کہ وہ اچھی لڑکی ہے اور محض اپنے باپ کی وجہ سے اس کی زندگی خراب ہو رہی ہے۔" نبیہہ نے ارادہ کر لیا تھا بھائی اور دوست کا مقدمہ لڑنے کا۔

"تمہاری امی جان کچھ اور کہہ رہی ہیں۔ بکر کی خواہش ہے یا اس کی بھی؟" وہ پوچھ رہے تھے اور وہ بھی جیسے آج مقدمہ جیتنے کا عہد کیے بیٹھی تھی۔

"نہیں ابو جان۔ وہ تو لاعلم ہے۔ یہ بکر بھائی کی خواہش ہے اور انہوں نے ہی مجھے کہا ہے اور ابو جان۔۔۔ وہ واقعی بہت مظلوم لڑکی ہے۔ وہ اس کی امی اور بہن سالوں سے اس ظالم شخص کا ظلم برداشت کرنے

پر مجبور ہیں۔ اگر اس کے باپ نے اس کی شادی اس آوارہ لڑکے سے کردی تو اس کی زندگی تباہ ہو جائے گی ابو جان۔ پلیز ابو جان اسے میری جگہ رکھ کر سوچیں۔"
وہ ملتجی لہجے میں بولی۔ ابو جان چند ثانیے خاموشی سے اسے دیکھتے رہے پھر گویا ہوئے۔
دیکھو بیٹی! یہ کوئی جذباتی مسئلہ نہیں ہے اسے عقل سے سلجھانے کی ضرورت ہے' چلو مان لیا ہم نے تمہاری دوست کا رشتہ بکر کے لیے لے لیا' پھر کیا ہوگا؟ کیا اس شخص کی خصلت بدل جائے گی؟ نہیں بلکہ وہ اس بات کی سزا پھر ان ماں بیٹوں کو دے گا۔ وہ آوارہ لڑکا تمہاری سہیلی کی شادی شدہ زندگی میں آگ لگائے گا اور اس کا باپ' وہ چھوٹی بیاہ دے گا اس لڑکے کے ساتھ۔ اور اس کی ماں اور مصیبتوں کے پہاڑ تلے دب جائے گی۔
بیٹا ہم ان کی کچھ مدد نہیں کرسکتے۔ ان کے اپنے رشتہ دار کچھ نہیں کرپائے تو ہم کیا بگاڑ لیں گے کسی کا؟ میرا تو ایک ہی بیٹا ہے میں اسے کھونا نہیں چاہتا۔ اللہ کرے تمہاری سہیلی کو کوئی اچھا اور گھر مل جائے۔ لیکن بیٹا وہ ہم نہیں ہوں گے۔ اب تم جاسکتی ہو۔" انہوں نے دوٹوک بات کرکے گویا اپنے فیصلے پر مہر لگا دی۔
"ابو جان آپ غور تو کریں؟" اس نے مایوسی کے عالم میں باپ کو دیکھا لیکن ان کے چہرے پر اس کی بات پر غور کرنے کے کوئی مثبت اثرات نہیں تھے۔ وہ دل برداشتہ سی باہر نکل آئی اور سیدھی ندا کی طرف چلی آئی۔ وہ لائٹس آف کیے بیڈ پر اوندھی دراز تھی۔
"کیسی ہو ندا؟" اس نے لائٹس آن کیں تو وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ نبیہہ سر تاپا لرز گئی۔ اس کی آنکھوں میں صحرا کی ویرانی تھی۔
"ندا!" وہ اس کے قریب آگئی۔ "یہ تم نے کیا حالت بنا رکھی ہے۔ تم اتنی کمزور تو نہیں ہو۔" وہ اس کا سر سہلانے لگی۔
"نہیں۔ میں بہت کمزور ہوں۔ بہت زیادہ۔ میں اپنی ماں کو دکھ میں تڑپتا نہیں دیکھ سکتی۔ میں اپنی بہن کو سسکتے نہیں دیکھ سکتی۔ اور میں خود کو بھی اس آگ میں جلنے سے نہیں بچا سکتی۔ جو فقیہہ الدین سلگانے جارہا ہے۔ جس کا ایندھن پہلے میری ماں بنی رہی اور اب ہم دونوں کی باری ہے۔ میں تو یہ کہتی ہوں کہ اوپر والا یا ہم تینوں کو موت دے دے یا فقیہہ الدین کو۔ خودکشی حرام نہ ہوتی تو ہم تینوں کب کی زہر کھا کر مرگئی ہوتیں۔ لیکن یہی سوچ روک لیتی ہے یہ زندگی تو خراب ہوگئی۔ اس زندگی میں ہی شاید کچھ اچھا ہو جائے۔ تمہیں پتا ہے اب دن رات میں کیا سوچ رہی ہوں؟" وہ اٹھ بیٹھی اس کے چہرے پر عجیب تھا۔ بہت عجیب۔ نبیہہ ڈر سی گئی۔ اس کے کچھ کہنے سے پہلے وہ بول پڑی۔
"پتا نہیں کیا الم غلم سوچتی رہتی ہو۔ میں تو یہ کہنے آئی تھی کہ.... اگر فارغ ہو تو شام کو ذرا بازار چلیں.... مجھے کچھ ضروری چیزیں خریدنا ہیں۔"
اس نے شاید اس کی بات سنی نہیں تھی۔ اپنی ہی کہے گئی۔
"میرے دماغ میں ہر وقت یہ بات گھوم رہی ہے کہ میں فقیہہ الدین کو قتل کردوں۔"
"یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟" نبیہہ کا دل دھک سے رہ گیا۔
"تمہارا باپ ہے ندا۔ جیسا بھی ہے.... تم میرا خیال ہے فارغ رہ کر تمہارے دماغ میں ایسی فضول سوچیں بھر گئی ہیں۔ تم فوراً" سے پہلے کالج جوائن کرو۔ اپنی تعلیم مکمل کرو۔" نبیہہ نے اس کے ہاتھ ہاتھوں میں لے کر اسے سمجھانا چاہا تھا۔ لیکن وہ جیسے کسی اور ہی دنیا میں تھی۔
"تم نے بے شمار دفعہ سنا ہوگا' باپ نے بدکردار بیٹی کو موت کے گھاٹ اتار دیا' بھائیوں نے بہن کو بدچلنی کے شبہ میں گولی ماردی۔ تم نے کبھی سنا کسی بیوی نے' بیٹی نے' ماں نے بدکرداری پر اپنا شوہر' باپ یا بیٹا قتل کیا ہو؟ عورت کی تو بدچلنی ثابت بھی نہیں ہوتی ہے اسے ماردیا جاتا ہے۔ جو مرد بدکرداری کا چلتا پھرتا اشتہار ہوتے ہیں' ان پر کسی کی نظر کیوں نہیں پڑتی؟ یہ کیوں اپنی بیوی بیٹی ان کے ہاتھوں قتل نہیں ہوتے؟ قانون'

اصول دونوں کے لیے یکساں ہونے چاہئیں۔ ہے نا؟"
وہ بول رہی تھی اور اس کے لہجے میں بلا کا سکوت تھا۔

"دیکھو ندا! غصے میں آکر کچھ غلط مت کر ڈالنا۔ اپنے آپ کو کسی بھی مصیبت میں مت ڈال لینا۔"
نبیہہ کو اس کے ارادے کچھ اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ وہ گھبرا کر اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگی۔

"غصے اور دکھ کی کیفیت سمجھنے میں لوگ ہمیشہ غلطی کر جاتے ہیں۔" وہ ہنس دی اور نبیہہ کے ہاتھوں سے اپنا ہاتھ نکال کر بولی۔

"تم شاید یہ سمجھ رہی ہو کہ میں فقیہہ الدین کو قتل کر ڈالوں گی۔ نہیں اس طرح تو وہ نجات پا جائے گا۔ تم جانتی نہیں ہو کہ کیا ہر شخص کو اپنے اعمال کی کچھ سزا تو دنیا میں ہی بھوگ کر جانی ہوتی ہے۔ اللہ سوہنا اپنے فرائض بھی معاف کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ لیکن اگر کسی انسان کے حقوق آپ پر واجب الادا ہوں۔ آپ کسی سے زیادتی کے مرتکب ہوئے ہوں اور آپ نے کسی کا دل ہی دکھایا ہو' تو اس وقت تک اللہ سوہنے سے معافی نہیں ملے گی جب تک متعلقہ بندہ خود معاف نہ کر دے۔ اور میں کبھی بھی اس شخص کو معاف نہیں کروں گی۔ کبھی بھی.... جسے دنیا میری ولدیت کے خانے میں دیکھتی ہے۔" اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں جسے وہ نبیہہ سے چھپانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ اور نبیہہ تو خود اس کے لیے دکھی ہو رہی تھی کہ وہ اس کے لیے کچھ بھی نہیں کر پا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

شہریار کی جان ایکسیڈنٹ میں کیا گئی زرش کی تو دنیا ہی اندھیر ہو گئی تھی۔ اس کے پاکستان آنے کے اگلے دن بعد وہ آفس جانے کے لیے نکلا تھا اور ایک لہراتے بل کھاتے کنٹینر کی زد میں آ گیا تھا۔ کیسے؟ یہ شاید وہ خود بھی نہیں سمجھ پایا تھا۔ اس کی گاڑی بری طرح کچلی گئی تھی اور وہ خود بھی ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا تھا۔ چیتھڑوں کی صورت اس کی ڈیڈ باڈی پاکستان آئی تھی اور جیسے کہرام مچ گیا تھا۔

وہ تو فون سن کر ہی بے ہوش ہو گئی تھی۔ اور جب ہوش میں آئی تو وہ خالی ہاتھ ننگے سر یوں بیٹھی تھی جیسے اس کی عمر بھر کی کمائی کوئی لوٹ کر لے گیا ہو اور وہ کبھی اپنے خالی کاسے کو تک رہی تھی اور کبھی اپنے سر سے سرکی چادر کو۔ تین ننھے وجود رو رو کر اپنے وجود کا احساس نہ دلاتے تو وہ بھی شاید کب کی مر گئی ہوتی۔
لیکن جو اسے زندگی اسے شہریار کے بنا جینے کو ملی تھی۔ وہ بھی موت ہی کی کوئی شکل تھی۔ گزارے ساڑھے تین سال جیسے تین پل تھے گویا۔ ہاتھوں سے ریت کی مانند پھسلے تھے۔ اور وہ بے آب و گیاہ صحرا میں ننگے پاؤں کھڑی تھی۔ رو رو کر آنکھوں کے سوتے خشک ہو گئے تھے' لیکن دل تھا کہ کسی ریگستان کی طرح سر میں ریت ڈالے جانے کہاں کہاں گھومنے لگا تھا۔ کسی نے صحیح کہا تھا۔ ماضی کی یادوں سے چھٹکارا ممکن نہیں ہوتا۔

شہریار.... شہریار.... اس کا رواں رواں پکار اٹھتا اور وہ اپنے اردگرد سے بے خبر ہونے لگتی۔ پھوپھو تو خود جوان بیٹے کی موت کے بعد زندہ لاش بن کر رہ گئی تھیں۔ لیکن پھر بھی وہ زرش کا پورا خیال رکھے ہوئے تھیں۔ اسے سنبھال رہی تھیں۔ بچوں کو دیکھ رہی تھیں۔ امی جان پندرہویں تک اس کے پاس رہی تھیں.... پھر چلی گئی تھیں۔ رفتہ رفتہ اس نے بھی سنبھلنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن پھر بھی جب شہریار کی ہوک من میں اٹھتی۔ وہ پہروں روتی رہتی۔ انہی دنوں معید بیمار رہنے لگا۔ وہ تو عدت میں تھی۔ پھوپھو ہی اپنے بھتیجے کے ہمراہ اسے ڈاکٹروں کے پاس لیے پھرتیں۔ لیکن معید کو جانے کیا تھا ٹھیک ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔ زرش سب کچھ بھول بھال اس کی فکر میں لگ گئی۔ بڑے بھیا کو فون کر کے بلا لیا۔ وہ معید کو چند ڈاکٹرز کے پاس لے کر گئے۔ ٹیسٹ ہوئے۔ رپورٹس آئیں تو کچھ بھی حوصلہ افزا نہیں تھا۔ بڑے بھیا ٹکر ٹکر رپورٹس دیکھ رہے تھے' ان کی نظر میں بیوہ بہن کی دم توڑتی امنگیں گھوم رہی تھیں۔ وہ کیسے یہ خبر بہن کو دیتے کہ شہریار کے بعد اب معید

بھی اسے چھوڑ کر جانے والا ہے۔

"نہیں یہ مجھ سے نہیں ہوگا!" انہوں نے روتے ہوئے امی جان کو فون پر بتایا تھا اور ان کا دل خون کے آنسو رونے لگا تھا۔ ان کی بیٹی کو کس کی نظر لگ گئی تھی جو خوشیاں ایک ایک کر کے اس سے رخصت ہو رہی تھیں۔

پھر انہی دنوں انگلینڈ سے کچھ ڈاکومنٹس آئے۔ سوئے اتفاق وہ پھوپھو کے بھتیجے نے وصول کیے تھے۔ مسز شہریار کے نام کا یہ پلندا انہوں نے پھوپھو کے حوالے کیا تھا اور ساتھ ہی ایک عرض بھی۔ وہ زرش سے نکاح کرنا چاہتے تھے۔

پھوپھو حیرت سے انہیں دیکھتی رہ گئیں۔ انہوں نے یہ جرات کی بھی تو کیسے؟ ٹھیک تھا وہ انہیں ہی بیٹا ہی سمجھتی تھیں۔ لیکن زرش ان کی بہو تھی اور پھر اس شہریار کو یہ دنیا چھوڑے دن ہی کتنے ہوئے تھے۔

"تمہیں ایسا سوچنا بھی نہیں چاہیے تھا فقیہہ الدین۔" پھوپھو نے سرزنش بھرے لہجے میں کہا تھا۔

"کیوں پھوپھو! اس میں برائی کیا ہے۔ میں نے کسی غلط خواہش کا اظہار تو نہیں کیا۔ نکاح تو سنت ہے اور پھر بیوہ عورت سے نکاح کرنا تو بہت بڑے اجر کی بات ہے۔" انہوں نے بڑے رسان سے کہا تھا۔ پھوپھو بہت کچھ کہنا چاہتی تھیں لیکن اس وقت وہ بحث کے موڈ میں نہیں تھیں اس لیے خاموشی سے اٹھ گئیں۔ اور اس خاموشی کو نیم رضامندی سمجھتے ہوئے فقیہہ الدین نے ان کا پیچھا پکڑ لیا تھا۔

زرش کو ابھی تک معید کی بیماری کا پتا نہیں چلا تھا۔ کسی کی ہمت ہی نہیں پڑی تھی کہ اسے اس جانگسل حقیقت کے بارے میں بتاتا۔ لیکن وہ ماں تھی معید کی دن بدن بگڑتی حالت اسے تشویش میں مبتلا کیے ہوئے تھی۔ بڑے بھیا ہر ممکن ڈاکٹروں سے رابطہ کر رہے تھے۔

"ہم اسے باہر لے جاتے ہیں۔" انہوں نے آخری امید کے طور پر پوچھا تھا۔

"کوشش ہی ہے۔ کرنا چاہتے ہیں تو کرلیں۔ ورنہ ٹیومر پورے دماغ میں پھیل چکا ہے۔ بچہ بہت چھوٹا ہے۔ آپریشن کا رسک تو کوئی بھی نہیں لے سکتا۔ بہرحال آپ کوشش کرلیں۔" ڈاکٹر نے ایک فیصد بھی امید نہیں دلائی تھی۔ اور پھر انہیں زرش کو بتانا پڑا۔

"کیا؟" وہ کئی لمحے پتھرائی آنکھوں سے کبھی بھائی اور کبھی بیڈ پر سوئے معید کو دیکھتی رہی۔ تو کیا شہریار کے بعد معید بھی۔

"نہیں۔" اس نے زور سے سر جھٹکا اور لپک کر معید کو بازوؤں میں بھرلیا۔ وہ معید کو کہیں نہیں جانے دے گی۔ نہیں۔ وہ ایک پل کے لیے بھی معید سے جدا نہیں ہوگی۔ وہ شہریار سے کچھ دنوں کے لیے الگ ہوئی تو تقدیر نے اسے ہمیشہ کے لیے جدا کردیا۔ اور اب معید۔ "نہیں اللہ میاں جی۔ آپ ایسا نہیں کریں۔ مجھ سے معید کو مت چھینیں۔ ابھی تو میں نے اس کی آواز بھی نہیں سنی۔ یہ مجھے ماما کہہ کر پکارے گا تو مجھے کیا محسوس ہوگا۔

پلیز اللہ میاں جی۔ نہیں کریں ناں ایسا پلیز۔" وہ کسی چھوٹی بچی کی طرح بلک بلک کر رونے لگی۔

☼ ☼ ☼

اور وہ شام بھی اس کی زندگی کی باقی سیاہ شاموں ایسی ہی تھی۔ لیکن اس شام میں اس کی تقدیر کی سیاہی بھی گھل گئی تھی۔ فقیہہ الدین نے صحیح کہا تھا وہ ٹکڑوں میں جیے گی۔ اور اس کے ٹکڑوں میں جینے کی ابتدا ہوگئی تھی۔ فقیہہ الدین رشنا بیگم اور امیر علی کے ساتھ آئے تھے۔ ساتھ میں دونوں بھائی بھی تھے۔

"یہ لے' یہ پہن لے!" رشنا بیگم نے ایک شاپر اس کے آگے رکھا تھا۔ وہ جو ابھی ابھی چھت پر آکر بیٹھی تھی۔ رشنا بیگم اور پھر چارپائی پر رکھے شاپر کو ٹکر ٹکر تکنے لگی۔ جیسے اسے کچھ سمجھ نہ آیا ہو۔

"چل اٹھ' نیچے چل!" رشنا بیگم نے اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا تو وہ جیسے چونکی۔ پھر پیچھے کھڑے فقیہہ الدین اور امیر علی پر نظر پڑی تو اس کے لبوں سے ہنسی پھوٹ پڑی۔

رشنا بیگم نے یوں اسے دیکھا جیسے وہ باؤلی ہو گئی ہو۔
اس نے شاپر اٹھایا اور چلتے ہوئے فقیہ الدین کے پاس آکر رک گئی۔

"چلتی کیوں نہیں نیچے قاضی صاحب آئے بیٹھے ہیں!" فقیہ الدین غرائے تھے۔

"چل رہی ہوں!" وہ پھر ہنسی تھی اور یونہی ہنستے ہنستے اس کی نظر برساتی میں چھپ کر کھڑی فروا پر پڑی تھی۔ وہ شاید اسے ہی دیکھنے آئی تھی۔

"ہاں تو امیر علی صاحب!" وہ امیر علی کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور سر سے پیر تک اس کا جائزہ لیا۔ پھر چبا چبا کر بولی۔

"امیر علی ولد علیم الدین، صحیح کہا ناں میں نے؟"
اس نے تائید چاہی تھی اور جانے کیوں امیر علی نے فوراً" گردن ہلائی تھی۔

"تو تم مجھ سے یعنی ندا فقیہ الدین سے نکاح کرنے آئے ہو۔ جانتے ہو میرے باپ یعنی تمہارے چچا اور تمہاری ماں یعنی میری تائی جان کا گزشتہ بیس برسوں سے کیا رشتہ ہے؟"

امیر علی تو گڑبڑایا ہی ساتھ ہی رشنا بیگم بھی بدبدا کر آگے بڑھی تھی اور اس کے کچھ کہنے سے قبل ہی فقیہ الدین نے آگے بڑھ کر زوردار تھپڑ اس کے منہ پر جڑ دیا تھا۔ تکلیف کی شدت سے ندا کی آنکھ میں آنسو آ گئے۔ لیکن وہ پی گئی۔

"سچ برداشت نہیں ہوتا ناں فقیہ الدین صاحب!" وہ اپنے باپ کی طرف مڑی۔

"یہ سچ گزشتہ بیس برسوں سے میری ماں اور ہم سہتے چلے آرہے ہیں۔ لوگ انگلیاں اٹھا اٹھا کر ہم پر آوازے کستے ہیں فقیہ الدین صاحب۔ آپ اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر اپنی بھابھی کے گھر کیوں رہ رہے ہیں؟ وہ بھی اس صورت میں کہ آپ کے بھائی کو مرے عرصہ گزر گیا۔ اور یہ عورت..... ہم نے تو سنا تھا بڑی بھابھی ماں کے جیسے ہوتی ہے۔ اور اس عورت نے تو سارے رشتوں کی ہی مٹی پلید کروا لی۔ اور....."

"بس کر لڑکی!" رشنا بیگم دھاڑی تھی "اس کی زبان کو لگام دو فقیہ الدین ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔"

رشنا کے تو تلووں سے لگی سر پر جا کر بجھی۔ اس نے پہلے رشنا بیگم سے اور پھر فقیہ الدین سے مخاطب ہو کر کہا۔

"وہ تو اب بھی نہیں ہے۔ کس بھول میں ہو تم..... اور یہ تم نے کیسے سمجھ لیا۔ میں تمہارے اس نشئی بیٹے سے شادی کروں گی۔ یہ وقت آنے سے پہلے میں خود کو اور اس ساری جائداد کو آگ لگا دوں گی اور فقیہ الدین صاحب..... آپ بھی کسی بھول میں مت رہیے گا۔ وہ ماں تھی، جو جانے کس خوف کے تحت آپ کے سب جائز و ناجائز کو سہتی آرہی ہے۔ میں ان کی طرح نہیں۔" اس کا لہجہ بغاوت سے بھرپور تھا۔

"میں دیکھتا ہوں تم اس نکاح سے کس طرح انکار کرتی ہو۔" فقیہ الدین نے لپک کر اسے بالوں سے پکڑا تھا اور گھسیٹ کر نیچے لے جانے لگا۔ خلاف توقع اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔ اسی طرح گھسٹتی نیچے آئی تھی۔ فروا ان سے پہلے ہی بھاگ کر نیچے آ گئی تھی اور اب ماں کو سب سنا رہی تھی۔

"پانچ منٹ میں کپڑے بدل کر آؤ۔ ورنہ کھڑے کھڑے تم ماں بیٹیوں کو گولی سے اڑا دوں گا۔" فقیہ الدین نے اسے اندر کی طرف دھکا دیتے ہوئے کہا تھا۔ ندا نے اندر گھس کر کنڈی چڑھالی اور پچھلے دروازے سے امی جان کے کمرے میں پہنچ گئی۔ اس کے دماغ نے فوراً" پلان ترتیب دے لیا تھا' فروا اور امی جان سہمی ہوئی بیٹھی تھیں۔ اس نے فروا کو بیرونی دروازہ بند کرنے کا اشارہ کیا۔ اور پھر الماری کھول کر کاغذات اور زیورات نکالنے لگی۔

"دس منٹ..... دس منٹ میں ہم یہاں سے نکل رہے ہیں فروا۔ تم امی جان کی دوائیں بیگ میں ڈال لو۔" اس نے جلدی جلدی بیگ میں چند کپڑے اور ضروری اشیاء ٹھونسیں۔ وہ چند لمحے قبل دماغ میں آنے والے خیال کو عملی جامہ پہنا رہی تھی۔

"مگر کہاں جائیں گے یہ گھر چھوڑ کے؟" امی جان نے کمزور سا احتجاج کیا تھا۔

"کہیں بھی، لیکن فی الحال یہاں سے نکلنا ہے۔"
اس نے بیگ بند کیا باہر سے دروازہ پیٹا جانے لگا تھا۔ اور فقیہہ الدین کے منہ سے حسب عادت گالیوں کا فوارہ ابل رہا تھا۔

"جلدی نکل حرام زادی۔" وہ ایک بار پھر غرائے تھے اور ندا نے ان دونوں کو پچھلے دروازے سے باہر نکال کر جلدی سے دروازے میں تالا ڈال دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اور اس کا بلکنا کسی کام نہیں آیا۔ ایک رات معید چپ چپاتے اسے چھوڑ گیا اسے خبر بھی نہیں ہوئی۔ وہ تو اس کا پل پل خیال رکھتی تھی۔ راتوں کو اٹھ اٹھ کر دیکھتی تھی کہ اس کی سانس چل بھی رہی ہے یا نہیں۔ لیکن اس رات پتا نہیں کیا ہوا تھا۔ وہ اتنی گہری نیند سوئی تھی کہ اسے خبر ہی نہ ہو سکی کہ موت کے ہاتھوں نے اس سے معید کو چھین لیا۔ وہ روئی، تڑپی، کرلائی، شہریار کی موت کا غم پھر سے ہرا ہو گیا۔ پھوپھو جان اسے تسلی دیتے دیتے خود رو پڑتیں۔ پھر اللہ سے توبہ کرنے لگتیں۔ معافی مانگتیں پھر اسے سنبھلنے کا کہتیں اور اسے لگتا جیسے وہ کبھی سنبھل ہی نہ پائے گی۔ اسے معید کی پیدائش یاد آنے لگتی۔

ڈاکٹروں نے کمپلیٹ چیک اپ کے بعد اسے تندرست بچہ قرار دیا تھا ہاں تھوڑا کمزور تھا لیکن.... اور شہریار کتنا خوش تھا معید کی پیدائش پر.... شہریار، معید، یادوں کا سلسلہ بڑھتا چلا جاتا.... اور وہ روئے چلی جاتی۔ لیکن وہ کہتے ہیں نا، وقت بہت بڑا مرہم ہے اور پھر رب کریم نے انسان میں نسیان کا مادہ بھی رکھا ہے۔ ورنہ تو انسان کبھی بھول ہی نہ پاتا اور غم اور دکھ سے پاگل ہو جاتا۔ جس دن اس کی عدت پوری ہوئی، اسی دن معید کا چالیسواں ہوا۔ سب ہی تو آئے تھے۔ ابا، امی، بڑے بھیا، چھوٹے بھائی اور وہ ایک ایک کے گلے لگ کر بچھڑے ہوؤں کو یاد کر کے روتی رہی۔ اور پھر امی جان اسے اپنے ہمراہ لے آئیں۔ اب اس کی ساری توجہ کا مرکز حوریہ اور زارا ہی تھیں، وہ انہیں ایک پل بھی آنکھ سے اوجھل نہ ہونے دیتی۔ اس کے دل میں عجیب سا خوف سرایت کر گیا تھا۔ کھو دینے کا خوف۔ اس نے شہریار کے بغیر زندگی بتانے کا کبھی تصور بھی نہ کیا تھا، کبھی اس پہلو پر سوچا بھی نہ تھا۔ لیکن ہمیشہ وہ کب ہوا ہے، جو ہم سوچتے ہیں۔ زندگی کی شاہراہ پر اخیر تک کا ساتھ دینے کے وعدے کرنے والا اسے سفر کے آغاز میں ہی تنہا چھوڑ گیا تھا اور اسے یہ سفر اب اکیلے ہی طے کرنا تھا۔

وقت کا کام گزرنا ہوتا ہے۔ گزر جاتا ہے۔ وہ حادثے جو کبھی بہت شدت سے محسوس ہوتے ہیں، دکھ دیتے ہیں، آہستہ آہستہ مندمل ہونے لگتے ہیں۔ بھولتے نہیں، ایک کسک بن کر ساری عمر ساتھ رہتے ہیں۔ وہ بھی آہستہ آہستہ اس دکھ کو بھولنے لگی تھی۔ پھر بچیاں بڑی ہو گئی تھیں۔ اسکول جانے لگی تھیں۔ ان کی پڑھائی، ہوم ورک، ان سب میں کھو کر بہت کچھ بھولنے لگا تھا۔ بڑے بھیا کی شادی ہو گئی تھی۔ چھوٹا پڑھائی کے لیے ابراڈ چلا گیا تھا۔ زندگی ایک ڈگر پر چل نکلی تھی۔ پندرہ دن بعد وہ بچیوں کو لے کر پھوپھو کے پاس دو دن رہ آتی۔ چھٹیاں تو وہ گزارتی ہی پھوپھو کے پاس تھی۔ انہوں نے بہتیرا کہا تھا، وہ ان کے پاس رہے۔ لیکن وہاں رہ کر اسے تنہائی کا احساس شدت سے ہونے لگتا تھا۔

پھر جیسے ٹھہری ہوئی زندگی میں ارتعاش پیدا ہونے لگا۔ نبیلہ کو، وہ اور اس کی بچیاں کھٹکنے لگی تھیں بات بے بات روک ٹوک، ذرا ذرا سی بات پر ڈانٹ ڈپٹ۔ اسے کہاں برداشت تھا۔ حوریہ اور زارا کو تو وہ دیکھ کر جیتی تھی۔ اس نے بھابھی کو منع کیا تو وہ پھٹ پڑیں۔ وہ سنائیں کہ اس کا دل بند ہوتے ہوتے بچا۔

"لوگ نفرت کیسے کر لیتے ہیں؟" اس نے دونوں بچیوں کو خود میں سمیٹتے ہوئے سوچا تھا۔ وہ ساری رات پھر اس نے شہریار کو یاد کرتے گزاری تھی۔ اس سب کی ذمہ دار وہ خود تو نہیں تھی، پھر کیوں اسے مورد الزام ٹھہرایا جاتا تھا۔ نبیلہ بھابھی پہلے تو ڈھکے چھپے روک ٹوک کیا کرتی تھیں اب شیر ہو گئیں۔ وہ سب کے

سامنے ایک منٹ میں اسے سنا دیتیں۔ ابا اور امی بھی
ان کی حکمران طبیعت کے آگے بے بس تھے۔ وہ اسے
ہی صبر کی تلقین کرتے اور وہ ان کے کہے پر عمل کرنے
کی کوشش بھی کرتی۔ لیکن نبیلہ کو پھر بھی صبر نہ آتا۔
اور اس دن جب پھوپھو بے قرار ہو کر ملنے چلی آئی
تھیں۔ نبیلہ نے ان کو جالیا۔

"آنٹی، آپ کو کوئی فنانشلی پرابلم ہے؟" اس نے
چھوٹتے ہی سوال داغا تھا۔ سب نے چونکنے ہو کر اسے
دیکھا تھا کہ وہ کچھ بھی کہہ سکتی تھی پھوپھو بھی حیران تو
ہوئیں لیکن قابو پا گئیں۔

"نہیں تو بیٹا اللہ کا شکر ہے۔۔۔ اللہ رکھے تمہارے
پھوپھا مرحوم نے بہت کچھ چھوڑا تھا۔ پھر ماشاء اللہ
شہریار نے بھی بہت کمایا۔ وہ تو سمجھو اللہ کی مرضی نہیں
تھی۔ ورنہ جانے ترقی کی اور کتنی منازل طے کرتا۔" وہ
آبدیدہ ہو گئیں۔ لیکن نبیلہ تو جانے آج کیا پر تولے
بیٹھی تھی۔

"میں نے سنا ہے، شہریار گزشتہ پندرہ سال سے
انگلینڈ میں تھے نیشنلٹی تو ہو گی 'اور یقیناً" اس کے
بیوی بچے بھی برٹش نیشنلٹیز حاصل کر چکے ہوں
گے۔ تو پھر یہ وہاں کیوں نہیں جاتے؟" پھوپھو شاید
اس کی بات کو سمجھنا نہیں چاہ رہی تھیں۔ بات بدل
گئیں، لیکن اگلی روز انہوں نے زرش کو ساتھ چلنے کا
حکم سنا دیا۔

"زرش بچوں کے اسکول سرٹیفکیٹ لے لو۔ ہم
اپنے گھر چل رہے ہیں۔" انہوں نے اپنے پر خاصا زور
دیا اور زرش نے فوراً" تیاری کرلی۔ حالات کا بدلتا رخ
وہ بھی دیکھ چکی تھی اور اس سے پہلے کہ نبیلہ سیدھا
سیدھا نکل جانے کا کہتی، مصلحت اسی میں تھی کہ وہ
عزت سے چلی جائے۔ سو وہ بچیوں کو ساتھ لے کر
پھوپھو کے پاس چلی آئی۔ یہ اس کا اپنا گھر تھا روپے پیسے
کی کمی نہ تھی اور پھر شہریار کی بدولت انہیں نہ صرف
نیشنلٹی ملی تھی بلکہ دونوں بیٹیوں کا شادی تک خرچہ
بھی اسے باقاعدگی سے ملتا تھا۔ لائف پالیسی کے پیسے
بھی اسے مل گئے تھے۔ اس کے علاوہ وہ جب چاہے
بچوں کے ساتھ وہاں جا کر رہائش اختیار کر سکتی تھی۔
شہریار نے اپنے مختصر سے ساتھ میں انہیں ہر طرح
سے سیکیورٹی دینے کی کوشش کی تھی۔

یہاں گھر کا ماحول بھی اچھا تھا۔ اپنائیت کا احساس تھا
اور حوریہ اور زارا بھی یہاں ہر طرح کی آزادی محسوس
کرتی تھیں۔ پھوپھو کے اکیلے پن کی وجہ سے فقیہہ
الدین دوبارہ یہاں مستقل سکونت اختیار کر چکے تھے۔
گو انہوں نے وہ بات دہرائی نہیں تھی لیکن پھوپھو کے
ذہن سے وہ بات محو نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے وہ ان کی
حرکات و سکنات 'پر کڑی نظر رکھتی تھیں لیکن فقیہہ
الدین کی کسی بھی بات سے انہیں شبہ نہیں ہوا تھا کہ
'وہ زرش میں کوئی دلچسپی لے رہے ہیں۔

دونوں بچیاں اب فورتھ اور ففتھ اسٹینڈرڈ میں آ
گئی تھیں۔ گزرتے وقت نے جہاں زرش کو گہری
سنجیدگی میں مبتلا کیا تھا' وہیں اس سنجیدگی نے اس کی
شخصیت کو مزید دلکش بنا ڈالا تھا۔ وہ اتنی چھوٹی سی عمر
میں بڑی باوقار لگنے لگی تھی۔ ابا کی وفات کے بعد امی
کی ذات بٹ گئی تھی۔ وہ کبھی بڑے بھیا کے پاس
ہوتیں تو 'کبھی چھوٹے کے ساتھ کیونکہ دونوں کی
بیویوں نے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا تھا اور دونوں
بھائیوں نے باہمی فیصلہ سے الگ الگ گھر ڈھونڈ لیے
تھے۔ وہ پھوپھو کے ساتھ تھی' مطمئن تھی۔

☼ ☼ ☼

"لیکن ہم جائیں گے کہاں؟" فروا نے سوال کیا
تھا۔

"فی الحال نیہہ کے گھر اس کے بعد سوچیں گے۔"
وہ خود نہیں جانتی تھی آگے ان کے ساتھ کیا ہونے والا
تھا۔ یا پھر اسے کیا کرنا تھا۔

"وہاں سے فقیہہ الدین فوراً" ڈھونڈ نکالے گا۔
کیونکہ وہ جانتا ہے ہماری دوڑ بس اسی گھر تک ہے۔"
امی جان نے خدشہ ظاہر کیا تھا۔

وہ کچھ نہیں بولی۔ خاموشی سے نیہہ کے گھر کے
کھلے دروازے میں داخل ہو گئی۔ ان دونوں نے بھی

پیروی کی تھی ان کو یوں اندر آتے دیکھ کر نبیہہ کی امی سمجھ گئی تھیں کہ خیریت نہیں ہے۔ کیونکہ فروا اور ندا تو آتی جاتی تھیں لیکن ان کی امی کبھی گھر سے باہر نہیں نکلی تھیں۔ انہوں نے جلدی سے دروازہ بند کیا اور انہیں لے کر سب سے پچھلے کمرے میں آگئیں۔

"بہن سب خیریت تو ہے نا؟" ان کے بیٹھتے ہی نبیہہ کی امی نے پوچھا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولیں۔ بلکہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ آگے ہو کر انہیں تسلی دینے لگیں تبھی نبیہہ بھی آگئی۔ انہیں یوں دیکھ کر وہ بھی پریشان ہو گئی۔

"ہمیں آج کی رات پناہ چاہیے نبیہہ' کل صبح ہوتے ہی میں ان کو لے کر چلی جاؤں گی۔ کیا تم میری کچھ مدد کر سکتی ہو؟" ندا نے کہا تو نبیہہ نے بے ساختہ امی کی طرف دیکھا انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا نبیہہ کو تسلی ہوئی ورنہ وہ دل ہی دل میں خوفزدہ ہو رہی تھی کہ پتا نہیں امی جان کیا کہیں۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں!" امی کی رضامندی پاتے ہی وہ ایک دم سے ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔ پھر وہ ان کے لیے چائے اور لوازمات لے گئی۔

"اتنا تکلف... یہ..." ندا نے کہا تو نبیہہ مسکرا دی۔

"یہ تمہارے لیے نہیں بلکہ آنٹی کے لیے ہے' وہ تو پہلی بار ہمارے گھر آئی ہیں نا۔" اس نے بسکٹ کی پلیٹ ندا کی امی کے آگے کی۔ تبھی کال بیل زور سے بج اٹھی۔ نبیہہ دیکھنے کے لیے اٹھنے لگی تو ندا نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"دیکھو! اگر باہر فقیہہ الدین صاحب ہوں تو ہمارا مت بتانا۔ میں تمہیں سب کچھ تسلی سے بتاتی ہوں۔" اس کا لہجہ ملتجیانہ تھا نبیہہ سر ہلاتے باہر نکل گئی۔ کوئی دس منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی اور تب تک ان کی سانس خشک ہوتی رہی۔

"کون تھا؟" ان سے پہلے ہی نبیہہ کی امی نے پوچھ لیا

"انکل ہی تھے۔" اس نے لہجہ نارمل کرتے ہوئے بتایا۔

"میں نے بلو (ملازم) سے کہلوا دیا کہ سب لوگ شادی پر گئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے یقین کر لیا؟" ندا نے بے یقینی سے پوچھا۔

"نہیں!" نبیہہ نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"بہت بول کر گئے ہیں میں تو دروازے کے پیچھے چھپی ہوئی تھی' خیر تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ٭ ابھی ابا جی آئیں گے تو کچھ نہ کچھ اس مسئلے کا حل نکالیں گے تم لو نا یہ اور آنٹی آپ بھی ویسے ہی بیٹھی رہیں یہ سموسہ لیں نا...." اس نے زبردستی سموسے پہلے ندا کی امی اور پھر فروا کی پلیٹ میں رکھ دیا۔

لیکن وہ انہیں کھا نہ سکیں' دل تو پریشانیوں میں الجھا تھا۔ اتنے میں کال بیل دوبارہ بج اٹھی۔ ندا اور نبیہہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا "ڈرو مت' ابا جی ہوں گے۔" نبیہہ نے انہیں تسلی دی اور اٹھ کر باہر چلی گئی۔

اب کی بار ابا جی تھے لیکن ان کا چہرہ بتا رہا تھا کہ فقیہہ الدین انہیں راستے میں مل چکا ہے۔ نبیہہ کی ہمت نہ پڑی کہ کچھ پوچھے 'کیا پتا ان کا ردعمل کیا ہو اور اندر وہ تینوں بیٹھی تھیں۔ وہ ہولے سے سلام کر کے مڑی تھی کہ ابا جی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھک میں لے گئے۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

"کیا مسئلہ ہے۔ کدھر ہے وہ لڑکی اور اس کی ماں اور بہن' فقیہہ الدین نے اغوا کا پرچہ کٹوا دیا ہے۔ ابھی آتے ہوئے گلی میں ملا ہے اور اس نے بہت بکواس کی ہے۔ میرا دماغ کھولا دیا ہے اس بدتمیز شخص نے۔" ابا جی بہت غصہ میں تھے۔ وہ جھوٹ نہ بول سکی۔

"وہ ادھر ہی ہیں۔ لیکن ابا جی انہیں پناہ چاہیے۔ صرف ایک رات کے لیے۔ کل صبح وہ یہاں سے چلی جائیں گی وہ شخص بہت غصہ میں ہے۔ مار ڈالے گا انہیں۔ پلیز ابا جی انسانیت کے ناتے۔" نبیہہ نے ہاتھ جوڑ دیے۔ وہ سچ میں اپنی دوست کی مدد کرنا چاہتی تھی۔ ابا جی نے ٹہلتے ٹہلتے رک کر اپنی بیٹی کو دیکھا اور پھر جیسے کسی فیصلے پر پہنچ گئے۔

"ابوبکر کو بلاؤ.... فوراً"۔

"جی۔" وہ فوراً باہر نکل آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"شاید آپ کو یاد ہو پھوپھو! بہت پہلے میں نے ایک درخواست کی تھی میں زرش سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن تب آپ نے غور نہیں کیا تھا شاید ابا جی سے بدمزگی کی وجہ سے لیکن میں ایک بار پھر آپ کے سامنے دامن پھیلا رہا ہوں۔ میں زرش کو سہارا دینا چاہتا ہوں۔ ان بچیوں کو باپ کی شفقت دینا چاہتا ہوں۔ پھوپھو زندگی کی شاہراہ پر زرش زیادہ دیر تک اکیلی نہیں چل سکے گی۔ ابھی تو آپ ہیں۔ اللہ آپ کو ہمارے سروں پر سلامت رکھے' لیکن خدانا خواستہ آپ کو کچھ ہو گیا تو کہاں جائیں گی یہ۔ دنیا جینے نہیں دے گی انہیں' آپ کچھ تو خیال کریں۔"

فقیہہ الدین ایک بار پھر دست سوال دراز کیے بیٹھے تھے۔ پھوپھو بڑی گہری نظروں سے ان کا جائزہ لے رہی تھیں۔ کیا وہ جائیداد کے لیے ان کی بہو کو اپنانا چاہ رہے تھے؟" زرش ان کی بہو تھی' ان کی پوتیوں کی ماں تھی۔ پھر وہ ان کے سگے بھتیجے کی اولاد تھی۔ وہ بیوہ تھی لیکن خوب صورت اور صاحب جائیداد بھی تھی۔ کوئی بھی اس سے شادی کرنے کو تیار ہو جاتا۔

اور فقیہہ الدین بھی انہیں اسی لالچ میں مبتلا نظر آئے تھے۔ انہوں نے زرش کے گھر والوں کو بلا لیا اور ساری صورت حال ان کے سامنے رکھ دی۔ اور امی اس وقت شاکڈ رہ گئیں' جب بڑے بھیا بھابھی نے اس رشتے کی بھرپور حمایت کر دی۔ اور انہوں نے بڑے وثوق سے امی جان کو بھی سمجھا دیا۔ "پھوپھو کتنی دیر جئیں گی۔ اور امی اس کے بعد آپ نے سوچا ہے کہ زرش اور اس کی بچیاں کس طرح رہیں گی۔ زرش کم عمر ہے۔ اور اس پر خوبصورت اور صاحب جائداد بھی۔ بہت کٹھن ہو جائے گا اس کے لیے اکیلے رہنا۔

ابھی جذباتیت میں سب کچھ عجیب لگتا ہے۔ لیکن حقیقت بہت تلخ ہے یہی فقیہہ الدین جو' اب عزت سے زرش کو اپنانے کے لیے تیار ہے جب موقع ملے گا اور اس کی خواہش نہیں پوری ہو گی تو وہ کیا نہیں کرے گا اور ویسے بھی ان حالات میں زرش سے جو بھی شادی کرے گا۔ وہ اس کی جائیداد کے لیے ہی کرے گا۔ ہاں یہ ضرور ہو سکتا ہے کسی کو کم لالچ ہو کسی کو زیادہ۔ تو پھر ہم فقیہہ الدین پر ہی اعتبار کر دیکھیں اپنا ہے کچھ تو شرم لحاظ کرے گا ہی اور بچیوں کا کیا ہے۔ جب وہ اپنی قانونی عمر کو پہنچیں گی تو واپس لوٹ جائیں گی۔ اور فقیہہ الدین اور زرش کو مزید کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ جذباتیت کو ایک طرف رکھ کر عقل سے کام لیں۔ یہی بہتر ہے ہمارے لیے بھی اور زرش اور اس کی بچیوں کے لیے بھی۔"

"امی گو مطمئن نہیں ہوئی تھیں لیکن پھر بھی کہا کچھ نہیں' جب زرش سے پوچھا گیا تو وہ تو آپے سے ہی باہر ہو گئی۔

"میں اپنا کھا رہی ہوں۔ کسی پر بوجھ نہیں ہوں۔ پھر بھی سب لوگ اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔ امی آپ تو جانتی ہیں میں شہریار کی جگہ اور کسی کو نہیں دے سکتی اور میری معصوم بچیاں۔۔۔ کیا ان کے ذہنوں پر برا اثر نہیں پڑے گا۔ پلیز آئندہ کوئی مجھ سے اس ٹاپک پر بات نہ کرے۔" اس نے بات ختم کر دی۔ لیکن بات ختم ہوئی نہیں تھی۔ وہ لوگ تو واپس لوٹ گئے۔ لیکن اب پھوپھو کے سر پر یہ ہوا سوار ہو گیا تھا کہ انہیں کچھ ہو گیا تو زرش اتنے بڑے گھر میں اکیلی کیسی رہ پائے گی۔ کون اس کی دیکھ بھال کرے گا۔ وہ اٹھتے بیٹھتے زرش کا برین واش کرنے لگیں۔ اور نتیجتاً" زرش نے ہامی بھر ہی دی۔

ایک شام کو بڑی سادگی سے فقیہہ الدین اور زرش کا نکاح ہو گیا سب ہی آئے تھے۔ فقیہہ الدین اپنی ماں' بڑے بھائی اور بھابھی کے ساتھ آئے تھے۔ بری شاندار تھی۔ زیور بھی کافی بھاری تھا اور جوڑا بھی لیکن زرش نے کچھ بھی پہننے سے انکار کر دیا اور عام سے کپڑوں میں ہی نکاح کی رسم میں شامل ہوئی تھی۔ نکاح کے بعد پھوپھو نے بڑا اچھا ڈنر دیا تھا۔ فقیہہ الدین کی والدہ نے زرش کو ساتھ لے جانے کی فرمائش کی تھی۔ رسم دنیا تھی۔ لیکن زرش نے منع کر دیا۔ وہ یہ

ساری باتیں پھوپھو سے پہلے ہی کلیئر کر چکی تھی۔ وہ کبھی فقیہ الدین کے گھر رہنے نہیں جائے گی اور نہ ہی کبھی فقیہ الدین اسے مجبور کریں گے اور وہ اسی گھر میں سکونت پذیر رہے گی۔ فقیہ الدین نے بڑی خوش اسلوبی سے معاملات کو سنبھالا اور گھر والوں کو واپس بھیج دیا۔ ان کا سامان انیکسی سے زرش کے کمرے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ مہمان کو مالکانہ حقوق حاصل ہو گئے تھے اور یہ خوشی ان کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔ یہ گھر اور اس کی ملکیت فقیہ الدین کا خواب تھی جواب پورا ہونے کی قریب تھا۔

فقیہ الدین کے چہرے کا پہلا نقاب اترنے میں زیادہ دن نہیں لگے تھے۔ انہوں نے چند ہفتوں بعد ہی پھوپھو سے مطالبہ کر دیا تھا کہ یہ گھر ان کے نام کر دیا جائے۔

"فقیہ الدین۔" انہوں نے حیرانگی سے اسے دیکھا تھا۔ انہیں اتنی جلدی توقع نہیں تھی کہ وہ اپنی اصلیت پر اتر آئے گا "آپ تو خفا ہو گئیں پھوپھو جان۔" وہ مکارانہ مسکراہٹ چہرے پر سجائے، ساتھ بیٹھی زرش کو بے چینی سے ہاتھ مسلتے دیکھ کر اندر ہی اندر لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"پھوپھو جان آپ نے اپنی بہو کا مستقبل تو محفوظ کر دیا۔ لیکن میں؟ میرے سر پر تو چھت بھی نہیں۔ کل کلاں کو آپ کو کچھ ہو گیا تو آپ کی بہو اور پوتیاں تو مجھے دھکے دے کر نکال باہر کریں گی۔ اور میں ہو جاؤں گا دھوبی کا کتا۔ تو پلیز پھوپھو میری عمر بھر کی محبت اور خدمت کا یہ صلہ تو نہ دیں مجھے۔ کچھ تو لاج رکھیں۔ میں نے ہمیشہ آپ کی خدمت کی ہے۔ کچھ تو صلہ دیں نال مجھے۔" فقیہ الدین اس وقت لالچ کے شیرے میں لتھڑا رس گلا لگ رہے تھے۔

"میرے جیتے جی تو نہیں ہو سکتا فقیہ الدین!" پھوپھو نے قہر آلود نگاہوں سے اس شخص کو دیکھا تھا۔ جو انہیں ڈسنے کے درپے ہو چکا تھا۔

"یعنی آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ کو مار ڈالوں؟" اس نے بے حد سفاکی سے کہا تھا۔ زرش کا رواں رواں کانپ اٹھا۔

"یا اللہ اتنے گھناؤنے لوگ بھی ہیں اس دنیا میں۔"

"یا پھر آپ کی پوتیوں میں سے کسی ایک کو۔۔۔ نہ، نہ، نہ مجھے ایمبیسی سے ڈرانے کی ضرورت نہیں۔ ان کو تو بس اتنا کہہ دینا کافی ہو گا کہ ماں نے دوسری شادی کے لیے رکاوٹ ختم کر ڈالی۔"

"تم اتنے کمینے اور گھٹیا ہو گے فقیہ الدین میں نے سوچا تو تھا فقیہ الدین لیکن میں نے یہ بھی سوچا تھا' تمہاری رگوں میں ایک شریف باپ کا خون ہے۔ لیکن یہ بھول گئی کہ باپ کے ساتھ تمہاری ماں کا بھی تو خون شامل ہے۔ چھی، میں اس وقت کو کوس رہی ہوں جب میں نے اپنی پھول سی بچی کو تمہارے حوالے کرنے کا سوچا۔ کاش میں اسے مجبور نہ کرتی۔ لیکن اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ تم ابھی اسی وقت اس گھر سے نکل جاؤ اور فوراً" سے پیشتر میری بچی کو طلاق دے دو۔ تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ اٹھو زرش۔" وہ زرش کو لے کر اٹھ گئی تھیں لیکن فقیہ الدین نے اپنی کمینگی کا دوسرا ثبوت بھی دے ڈالا۔ اس نے دونوں بچیوں کو یرغمال بنا لیا۔

"یہ گھر میرے نام ہو گا۔ ابھی اور اسی وقت بڑی بی۔ اور اس کے بعد زرش کے نام کی گئی جائیداد کا ففتھی پرمننٹ بھی۔ ورنہ یہ دونوں معصوم کلیاں بن کھلے ہی مرجھا جائیں گی۔"

"ایسا تو آپ یقیناً" نہیں چاہیں گی۔ دیکھیں نا۔۔۔ آپ تو پہلے ہی دکھوں کی بہت بڑی فصل کاٹ رہی ہیں۔ مزید کچھ بھی سہنے کا حوصلہ نہیں ہو گا آپ میں۔ اس لیے آج کے بعد۔۔۔ اس گھر میں وہی ہو گا جو میں چاہوں گا۔ کاغذات پر سائن کرتی ہیں یا۔۔۔!" اس نے تیز دھار چاقو ہوا میں لہرایا۔ زرش تو یہ دیکھتے ہی حواس کھو بیٹھی تھیں کہ دونوں بچیاں فقیہ الدین نے چھری کی نوک پہ رکھی ہیں اور ان کے پاس اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ سوان کو سائن کرتے ہی بنی۔

"آپ بہت اچھی ہیں پھوپھو اور سمجھ دار بھی۔ چلو بیٹا مما کو پانی پلاؤ۔" اس نے بچیوں کو دھکیلا۔ وہ چیخ

چلاتی بے سدھ پڑی ماں سی لپٹ گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼
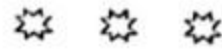
سب کچھ اتنا اچانک ہوا تھا کہ ندا کو سمجھ ہی نہ آیا۔

"یہ بہت ضروری ہے!" نبیہہ نے اس کے ہاتھ دبائے تھے۔

"لیکن میں... ان سے۔" اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔

"کاغذی کارروائی ہے۔ دیکھو... بھائی بہت دنوں سے تمہاری بڑی بہنوں سے رابطہ کرنے کی کوشش میں تھے اور خدا کا شکر ہے کہ رابطہ ہو گیا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ فی الفور نہ تو وہ یہاں آسکتی ہیں اور نہ ہی تم وہاں جا سکتی ہو۔ آنٹی نیشنلٹی ہولڈر ہیں' مسئلہ تم دونوں کا ہے جتنے دن تمہاری بہنوں کو یہاں آنے میں لگیں گے اتنے دن تم کہاں رہو گی خصوصاً" اس صورت میں جبکہ انکل نے اغوا کا کیس کر دیا ہے۔ تو یہ تمہاری سیکیورٹی کے لیے ہے اور ہماری بھی' آپ لیے پلیز مطمئن ہو جاؤ۔ تمہارے ساتھ کچھ غلط نہیں ہونے جا رہا۔" نبیہہ نے دوستی کا حق پوری طرح نبھایا تھا۔ دونوں بہنوں کا نکاح اسی شام ابا جی نے اپنے بیٹے اور بھتیجے سے کر دیا تھا' کن شرائط پر ان سے کوئی بھی واقف نہ تھا۔ لیکن فی الحال ان دونوں بہنوں کو سیکیورٹی مل گئی تھی۔ امی جان کے لیے ابوبکر نے ایمبیسی سے رابطہ کر لیا تھا اور یوں ان کو بھی پروٹیکشن مل گئی تھی۔ ابا جی نے انہیں اپنے اندرون شہر والے گھر میں منتقل کروا دیا تھا راتوں رات اور یوں صبح جب فقیہہ الدین پولیس لے کر ان کے گھر پہنچا تو پولیس کو کچھ بھی نہ ملا تھا۔ لیکن وہ مطمئن نہیں تھے۔ انہیں یقین تھا کہ ان تینوں کو اس گھر کے علاوہ اور کہیں پناہ نہیں مل سکتی تھی اور وہ اندر ہی کہیں چھپی ہوئی ہیں۔ لیکن سر توڑ کوشش کے باوجود انہیں کوئی سراغ نہ مل سکا تھا۔

☼ ☼ ☼

زندگی پوری سفاکی سے اس پر عیاں ہوئی تھی۔

رشتے اس قدر گھناؤنے اور سفاک بھی ہو سکتے ہیں یہ اس نے کبھی نہ سوچا تھا۔ شہریار' معید اور اب پھوپھو کو کھونے کے بعد اسے حقیقتاً" لگ رہا تھا وہ کھلے آسمان کے نیچے تپتا سورج اوڑھے کھڑی ہے اور کہیں کوئی ابر کرم بھی نہیں۔ اس کی تو شکل ہی بدل کر رکھ دی تھی فقیہہ الدین نے' مکان اپنے نام کرواتے ہی وہ انہیں ایک کرائے کے گھر میں منتقل کر گیا تھا اور پھوپھو اس صدمے سے ایسی گریں کہ پھر اٹھ ہی نہ سکیں۔ شدید فالج کا اٹیک ہوا' اور چند دن ہاسپٹلائزڈ ہونے کے بعد اگلے جہاں سدھار گئیں۔ وہ فقیہہ الدین کے ظلم سہنے کو تنہا رہ گئی۔ اب تو اسے اور طرح کا خوف آنے لگا تھا۔ بچیاں جیسے جیسے بڑی ہو رہی تھیں اس کی راتوں کی نیند اڑتی جا رہی تھی۔

پھر اس نے بڑے بھیا سے رابطہ کیا اور انہیں ساری صورت حال بتا دی۔ وہ خوف جو اسے ہولائے دے رہا تھا۔ بھیا تو حق دق رہ گئے۔ اس قدر ذلالت کی توقع تو شاید کسی کو بھی نہیں تھی فقیہہ الدین سے' انہی دنوں اسے پتا چلا کہ وہ پھر امید سے ہے۔ وہ کسی صورت مزید بچے پیدا کرنے کے حق میں نہیں تھی۔ جو حالات تھے ان میں تو وہ تینوں ہی بڑی مشکل سے جی پا رہی تھیں۔ اگرچہ حوریہ اور زارا کا سارا خرچ باہر سے آتا تھا۔ لیکن پھر بھی زندگی جس موڑ پر کھڑی تھی۔ مزید بچے پیدا کرنے کا تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ لیکن اس کی ہمت نہیں پڑی کہ وہ اس بچے کے ساتھ کچھ بھی ناروا کرے۔ وہ تو پہلے ہی آزمائشوں کی زد میں تھی مزید اللہ تعالیٰ کو ناراض نہیں کر سکتی تھی۔ سو اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا۔ فقیہہ الدین کو جان کر کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی۔ جیسے ان سب سے اس کا کچھ لینا دینا نہ ہو۔ وہ تو کبھی کبھار اپنی بھوک مٹانے آتا تھا اور اس کا اس گھر سے یا کسی بھی فرد سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ندا کے بعد فروا کی آمد نے اسے بالکل ہی نڈھال کر دیا۔ اس نے سوچا تھا شاید ایک بیٹا ہو جائے تو اس کی زندگی شاید کچھ سہل ہو جائے۔ لیکن۔

زندگی کچھ اور مشکل ہو گئی تھی۔ گھر کے گزارے کے لیے اس نے سلائی کرنا شروع کر دی۔ کچھ حوریہ اور زارا کے آجاتے تھے یوں زندگی کی گاڑی رواں دواں ہو تو گئی تھی۔ لیکن یوں کہ جیسے ناؤ میں سو چھید ہوں اور ناؤ گھسیٹنا بھی بہت ضروری ہو۔ یوں غموں کے سمندر میں زرش نے کشتی کو بچاتے بچاتے اک عمر بتا دی تھی۔ حوریہ اور زارا انگلینڈ جا چکی تھیں۔ ان کا فون آجاتا۔ اسے حوصلہ ہو جاتا۔ ندا اور فروا تھیں۔ جن کو ان کے باپ نے کبھی تسلیم نہ کیا تھا' پیار کیا کرتا۔ وہ تو شاید بس اس کی باقی ماندہ جائداد جو اس نے ندا اور فروا کے نام کر دی تھی۔ حاصل کرنے کے چکر میں تھا۔ انہی دنوں بڑے بھیا کا فون آیا تھا وہ اپنے دونوں بیٹوں کے لیے حوریہ اور زارا کا ہاتھ مانگ رہے تھے۔ اسے اور کیا چاہیے تھا۔ اس نے فوراً"ہاں کر دی تھی۔ اشعر انجینئرنگ پڑھ رہا تھا اور سلمان ڈاکٹر بن گیا تھا۔ بھیا بھی پچھلے کئی سالوں سے قطر میں مقیم تھے۔ بھابھی بھی اب کافی حد تک بدل گئی تھیں۔

ہفتے میں ایک آدھ بار فون کر لیا کرتیں۔ چھوٹا البتہ مکمل طور پر سسرالیوں کا ہو گیا تھا۔ شادی ہوئی تھی تو پلٹ کر نہ دیکھا تھا۔ بیوی کے ساتھ' سال بعد ہی اس کے باپ کے گھر شفٹ ہو گیا تھا۔ اماں ابا اس کے غم میں گھل گئے تھے۔

کبھی کبھی وہ سوچتی تھی زندگی کن لوگوں کے لیے خوشی کا باعث ہوا کرتی ہے۔ اس کی تو اپنی شادی شدہ زندگی' سوائے شہریار کے ساتھ کے ایک کانٹوں بھرا بستر ہی لگا کرتی۔ فقیہ الدین تو جانے کس گناہ کی پاداش میں اس پر مسلط ہوا تھا۔ وہ تو رو رو کر معافیاں مانگ چکی تھی۔ اللہ سے اپنی کردہ ناکردہ گناہوں کی' لیکن سزا تو ختم ہونے میں ہی نہ آ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

کتنے دن ہو گئے تھے ان دونوں کو اس گھر میں۔ نبیہہ کے ابا جی نے ضرورت کی ہر شے انہیں اس گھر میں مہیا کر دی تھی۔ وہ ان کا خیال سگوں سے بڑھ کر رکھ رہے تھے۔ فروا کو تو معاذ رخصت کرا کے لے گیا تھا۔

وہ اس رشتے پر خوش تھا۔ تن تنہا تھا۔ گھر والی کی ضرورت تھی۔ سو اس نے فروا کو جی جان سے قبول کر لیا تھا۔ فروا بھی خوش تھی۔ ندا کیا چاہتی تھی یہ کسی نے نہ پوچھا تھا اور سچ تو یہ تھا کہ اس نے خود بھی کبھی نہ سوچا تھا۔ پریشانی اور فکر میں وہ تقریباً" بھول ہی چکی تھی کہ اس کی زندگی کسی اور کے نام لکھ دی گئی ہے۔ اگر کبھی ذہن میں خیال آیا بھی تو حالات کا فیصلہ سمجھ کر کبھی سنجیدگی سے نہ لیا تھا۔ نبیہہ نے انہیں پروٹیکشن دی تھی۔ کسی بھی طریقے سے اور وہ اپنی عظیم دوست سے اور کسی بھی طرح کا فیور نہیں چاہتی تھی۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ اگر امی جان انگلینڈ چلی گئیں تو وہ کیا کرے گی۔ کہاں رہے گی اور کس کے سہارے۔"

ابوبکر نے اگرچہ حالات کے پیش نظر باپ کی حکم عدولی نہ کی تھی۔ لیکن ظاہر سی بات تھی وہ ساری عمر نبیہہ کی دوستی نبھانے کے لیے ندا کا طوق اپنے گلے میں کیوں ڈال لیتا۔ یہ بھی احسان تھا کہ وہ اسے تحفظ دینے کے خاطر مان گیا تھا۔ وہ اس کے بارے کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے اس نے سختی سے اپنے دل کا دروازہ بند کر لیا تھا لیکن اس رات جب فروا معاذ کے ساتھ ملنے کے لیے آئی تو اس کی آنکھوں کی چمک اس قدر زیادہ تھی کہ اس کا پورا وجود لودیتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی ہنسی اتنی خوب صورت ہو گئی تھی کہ ندا اسے دیکھتی رہ گئی۔

"خوب صورت ہو گئی ہوں نا؟" وہ ایک بار پھر ہنسی۔ اتنا اعتماد تھا اس کی بات میں کہ وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔

"محبت... میری بہن محبت!" فروا نے اسے کندھوں سے تھام کر کہا۔ "تمہیں بھی ہو جائے گی محبت... جب ابوبکر بھائی تمہیں رخصت کرا کے لے جائیں گے۔ اور پھر تمہارے دل سے ہر خوف اڑ جائے گا تمہیں احساس ہو گا کہ زندگی کتنی خوب صورت ہو جاتی ہے جب کسی کی محبت اس میں رنگ بھرتی ہے۔ معاذ بہت اچھے ہیں۔ مرد کا یہ روپ بھی

ہوتا ہے۔ میں نے بھی سوچا نہ تھا۔ بچپن سے بس ابا
جی کو ہی دیکھا اور یہی خیال ذہن میں رچ بس گیا تھا کہ
سارے مرد ابا جی ہی جیسے ہوتے ہیں۔ لیکن معاذ کو پاکر
ایسا لگا کہ نہیں ایسا نہیں ہے۔ اور ... کیا ہوا؟"

بولتے بولتے اسے ندا کی بے پناہ خاموشی کا احساس
ہوا تھا۔ ندا نے نفی میں سر ہلا کر بے حد آہستگی سے اس
کے ہاتھ ہٹائے اور اندر آگئی۔ اسے ایک دم سے اپنا
آپ خالی خالی لگنے لگا تھا۔ واقعی! محبت اس طرح بے
رنگ زندگی میں رنگ بھرتی ہے کہ سب کچھ ہی بدل
جاتا ہے۔ اور وہ بھی ایک فرد کی محبت؟ اس نے مرد کا
بہت بھیانک روپ دیکھا تھا۔ ایک باپ کی حیثیت
سے' ایک شوہر کی حیثیت سے' ایک دیور کی حیثیت
سے' اسے یاد تھا جب فقیہہ الدین کے بڑے بھائی کی
ڈیتھ ہوئی تو وہ انہیں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ مہینوں ان
کی خبر نہ لی تھی۔ فردا ان دنوں بہت چھوٹی تھی۔ چھوٹی
تو وہ بھی تھی کہ لیکن حالات نے اسے بہت بڑا کر دیا
تھا۔ وہ اپنی ماں کے ایک ایک زخم کو اپنے دل پر محسوس
کرتی تھی۔ فقیہہ الدین جب بھی گھر آتا اس کی ماں
اپنے آپ کو ایک نئے زخم کے لیے پیش کر دیتی۔ اور وہ
صرف زخم ہی نہیں دیتا بلکہ اس پر خوب نمک بھی
چھڑکتا تھا۔

اس نے اپنی ماں کو ساری ساری رات روتے دیکھا
تھا۔ کسی انہونی کے خوف نے ان کا سارا سکون چھین
لیا تھا۔ جب تک حوریہ اور زارا یہاں سے چلی نہ گئی
تھیں۔ وہ بے سکون ہی رہی تھیں اور اسے وہ دن بھی
یاد تھا۔ جب وہ اپنی بھاوج اور بچوں کو لے کر نانی کے
گھر' جو اس نے بہت پہلے ان سے خالی کروالیا تھا' میں
شفٹ ہو گیا تھا۔ اور اس کے شب و روز وہیں گزرنے
لگے تھے۔ وہ کم عمر تھی۔ اسے ان سرگوشیوں کی سمجھ
نہیں آتی تھی۔ جو محلے والیاں آ آکر امی سے کرتیں'
لیکن گزرتے وقت نے اسے یہ سمجھ بھی دے دی تھی
اور اس روز اس کی نفرت میں اضافے کے ساتھ ساتھ
اس کے دل میں کراہیت بھی جاگی تھی۔ اس کا بس چلتا
تو ولدیت کے خانے سے ان کا نام تک کھرچ ڈالتی۔

اس نے بہت دفعہ سوچا تھا کہ اس ظالم شخص سے ماں
علیحدہ کیوں نہیں ہو جاتیں؟ اور اپنی سوچ کو اس نے زبان
دی تھی اور اس نے بالآخر ماں سے کہہ ڈالا تھا۔ "ہم
اب کون سا ساتھ ہیں' علیحدہ ہی ہیں۔" انہوں نے
ٹھنڈی آہ بھری تھی۔

"یہ ظلم کیوں سہہ رہی ہیں آپ؟ چھوڑ دیں اس
شخص کو کیوں اب تک آپ یہ رشتہ نبھا رہی ہیں؟"

"میرا نصیب یہی ہے۔ کہاں بھاگ کر جاؤں۔ تم
مت سوچا کرو۔ زندگی پتا نہیں کتنی باقی رہ گئی ہے۔
ایک بار بیوگی کی چادر اوڑھ چکی ہوں' دوبارہ مطلقہ کا
داغ کیوں لگواؤں۔ اس کو چھوڑ کر بھی کونسا زندگی
پھولوں سے بھر جائے گی۔ یہ زندگی اسی طرح رہنی
ہے۔ تو پھر چلنے دو۔ کون دو دھاری تلوار پر چلے۔ دنیا
کسی طرح جینے نہیں دیتی۔ میری بچیاں ہیں۔ بہت
کچھ کرنے سے پہلے مجھے ان کے بارے میں سوچنا پڑتا
ہے۔ میں تو بس اللہ سوہنے سے یہ دعا کرتی ہوں کہ وہ
تمہارے نصیب خوشیوں سے بھر دے۔ میرے
دکھوں کی ذرا سی بھی آنچ تم بچیوں تک نہ پہنچے۔"
انہوں نے ایک بار سب کچھ اپنے اندر ہی اتار لیا تھا۔

"اور ابوبکر....." سوچ کا دھارا اس شخص کی طرف
مڑا۔ جسے ایک حادثے نے اس کی زندگی کا ساتھی بنا
ڈالا تھا۔ وہ کیسا ہو گا؟ کیا فقیہہ الدین جیسا یا پھر معاذ جیسا
؟ اور کیا پتا وہ اس تعلق کو رکھنا چاہے بھی یا نہیں۔
اسے تو یاد نہیں پڑتا تھا کہ کبھی اس نے ندا کو ایسی نظر
سے دیکھا ہو۔ اس کے دل میں کیا تھا۔ وہ کب جانتی
تھی اور نبیہہ سے پوچھنے کی ہمت نہ تھی اس میں نبیہہ
کے ابا جی کسی ملازم کے ہاتھ ہی ضرورت کی اشیاء
بھجواتے تھے۔ خود نہ تو نبیہہ اور نہ ہی کوئی اور ان کے
گھر سے کبھی آیا تھا۔ نبیہہ کا فون البتہ ضرور آتا تھا۔
اور نہ آنے کی وجہ بھی وہ یہی بتاتی تھی کہ فقیہہ الدین
کہیں ان کا پیچھا کرتا ہوا ادھر نہ پہنچ جائے۔

اس دن صبح ہی صبح کوئی آن دھمکا۔ بیل اتنے زور
سے بجی تھی کہ امی جو فجر کے بعد لیٹی تھیں' ہڑبڑا کر اٹھ
بیٹھیں۔ ندا کا دل بھی زور سے دھڑکا۔ کہیں وہ جان تو

نہیں گئے کہ وہ ماں بیٹی یہاں چھپی بیٹھی ہیں۔ دستک دوبارہ بجی تھی۔

"میں دیکھتی ہوں۔" اسے دروازے کی طرف بڑھتے دیکھ کر امی جان جلدی سے چارپائی سے اتری تھیں۔ ندا کی آنکھوں میں استفہام تھا۔ لیکن وہ نظر انداز کرتی دروازے کی طرف بڑھ گئیں اور پھر پہلی بار زندگی میں بے خوف ہو کر بنا پوچھے انہوں نے دروازہ کھول دیا تھا۔ کیا ہو گا.... زیادہ سے زیادہ ایک گولی تو چلو یونہی سہی۔

"السلام علیکم آنٹی۔" اجنبی آواز پر انہوں نے نگاہیں اٹھائیں۔ ندا لپک کر آئی تھی اور پہلی بار اسے اپنے قدم من من بھر کے محسوس ہوئے تھے۔ وہ وہیں ساکت رہ گئی تھی۔

"وہ سوری.... شاید آپ کو میرا آنا برا لگا۔" ابوبکر نے ان ماں بیٹی کو ساکت دیکھا تو خفت سے بولے تھے۔

"نن.... نہیں بیٹا۔ آپ آئیں۔" امی جان جیسے ہوش میں آتے ہوئے بولیں۔ انہوں نے راستہ دے کر سائیڈ پر کھڑی ندا کو اشارہ کیا تھا۔ لیکن وہ تو ایک ٹک ابوبکر کو گھورے جا رہی تھی۔ فروا کی باتیں ذہن میں گونجنے لگی تھیں۔ "محبت.... محبت۔" پھر جیسے کسی نے زور سے دل میں کچھ چبھو دیا۔ وہ اس پر ذرا بھی دھیان دیے بنا پاس سے گزر کر امی کے ساتھ جا کر برآمدے میں بیٹھ گئے تھے۔ اور اب آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہے تھے۔ امی جان کی آنکھوں سے تو اتر سے آنسو بہنے لگے تھے۔

"کیا۔ کیا کہہ رہے تھے وہ؟" وہ بھاگ کر پاس آئی۔ لیکن تب تک ابوبکر اٹھ کر کھڑے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں پکڑے کاغذات انہوں نے امی جان کے ہاتھ میں تھما دیے تھے پھر خدا حافظ کہہ کر پہلے کی طرح بنا اس کو دیکھے باہر کی طرف قدم بڑھا دیے تھے۔

اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ تو کیا ابوبکر نے یہ نام نہاد رشتہ ختم کر دیا تھا؟ ایک بے نام سی خلش نے اس کے پورے وجود کا احاطہ کر لیا تھا۔ اس کی ہمت نہ ہوئی کہ آگے بڑھ کر ماں سے اس کے رونے کا سبب دریافت کرلے۔ چپ چاپ کمرے میں آکر لیٹ گئی۔ اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا گو کہ اس نے کبھی ابوبکر کے حوالے سے خود کو سوچنے نہیں دیا تھا اور وہ کسی ایسے ہی انجام کے لیے تیار تھی، لیکن پتا نہیں کیوں دل کھنچا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے اختیار پانی بھر آیا۔ اور وہ تکیے میں منہ دیے رونے لگی۔ امی جان نے اسے روتے دیکھا تو چپ چاپ پلٹ گئیں اور اس رات اس نے اپنی ڈائری کا آخری ورق لکھا تھا۔ اور تہیہ کیا تھا کہ آج کے بعد نہ تو وہ روئے گی اور نہ ہی کبھی ڈائری لکھے گی۔ ابا کے سارے ظلم و ستم وہ اسی ڈائری میں تحریر کرتی آ رہی تھی۔ ورنہ تو شاید اس کا دماغ کبھی کا پھٹ گیا ہوتا۔

"کیا کہہ رہی ہیں امی آپ؟" اگلی صبح اس کی آنکھ فروا کی آواز سے کھلی تھی۔

"ہاں۔ کل ابوبکر آئے تھے۔" امی کی دھیمی سی آواز آئی۔ وہ اٹھ بیٹھی فروا اتنی صبح کیسے آئی تھی۔ اس نے کھڑکی سے جھانکا۔ معاذ بھی ہمراہ تھا تو کیا امی نے انہیں خود بلایا تھا۔ یہ سب بتانے کے لیے؟ اس کو عجیب خفت سی ہونے لگی۔ ٹھکرائے جانے کا احساس ہی جان لیوا ہوتا ہے۔ کیا تھا ابوبکر جو آپ بھی معاذ کی طرح اس رشتے کو نباہ لیتے۔ اس کے دل میں پھر دکھ کروٹ لینے لگا تھا اور تبھی اسے بہت پہلے نبیہہ کی کہی بات یاد آ گئی اس نے بتایا تھا کہ سنی بھائی کسی لڑکی کو بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ لیکن ابا جی ان کی وہاں شادی کرنے کے لیے رضامند نہیں ہیں۔

"ٹھیک ہے!" اس نے اپنے آپ کو تسلی دی۔

"ندا.... ندا۔" فروا آواز دیتی اندر آ رہی تھی۔ اس نے جلدی سے خود کو سنبھالا اور پلٹ کر بستر کی چادر ٹھیک کرنے لگی۔ کیوں لگتا ہے ایسا کبھی کبھی کہ آپ کے دل کی حالت چہرے سے عیاں ہو رہی ہے؟ اور یہ خوف دامن گیر کہ کوئی جان نہ لے، خواہ وہ آپ کا کتنا ہی اپنا کیوں نہ ہو۔ وہ بھی فروا کے سامنے بے نقاب نہیں ہونا چاہتی تھی۔

"تم چل رہی ہو؟" اس نے اندر آتے ہوئے پوچھا

تھا۔

"کہاں... اتنی صبح... خیر ہے ؟" وہ بشاشت سے بولی تھی۔

"جنازے کے لیے... امی کہتی ہیں کہ ہمیں کم از کم آخری بار ان کا دیدار کرلینا چاہیے۔ جیسے بھی تھے۔ باپ تھے کم از کم دنیا کی نظروں میں۔"

"کیا... ؟" وہ جیسے گہری نیند سے بے دار ہوئی تھی۔

"تمہیں نہیں پتا۔ کل اباجی کو انہی کے بھتیجے نے قتل کردیا۔ غصے میں آکر" ان کا انجام شاید یہی تھا۔" اس نے اپنے دل کو ٹٹولا۔ کوئی اچھی یاد کوئی پدرانہ شفقت کا لمحہ۔ جو اسے رونے پر مجبور کردے۔ لیکن کہیں ایسا کچھ نہیں تھا۔ پھر بھی وہ آخری بار دیکھنے کو تیار ہوگئی۔ کیسے ہوتے ہیں فرعونوں کے چہرے' جب وہ اپنی ہی فرعونیت تلے دب جاتے ہیں۔ منوں مٹی ان کا غرور ریزہ ریزہ کردیتی ہے اور وہ بھی ایک مٹھی خاک رہ جاتے ہیں۔ ہوا کے ذرا سے جھونکے سے اڑ جانے والے۔ بے بس لاچار... ؟

اور فقیہ الدین کی کفن میں لپٹی لاش انسان کی اصل حقیقت بتارہی تھی۔ اس کا چہرہ عجیب بھیانک دکھ رہا تھا۔

رشنا تائی بین کرتی سینہ پیٹ رہی تھیں۔ وہ تو ہر طرف سے خالی ہاتھ رہ گئی تھیں۔ بیٹا بھی جیل چلا گیا تھا اور لوگوں کی چہ مگوئیاں۔ وہاں بیٹھنا دشوار تھا۔ اس لیے وہ جلد ہی وہاں سے اٹھ آئیں۔ شاید وہ جو زمین پر خدا بن بیٹھتے ہیں ان کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔ امی کا چہرہ سپاٹ تھا۔ اور وہ دونوں بھی خاموش ہی تھیں۔

"نبیہہ کے گھر سے ہوتے چلیں۔" فروا نے کہا تھا۔

"ہاں چلو بھائی صاحب کا شکریہ بھی ادا کردوں۔ موقع ہی نہ ملا بہت ساتھ دیا انہوں نے ہمارا' بہت احسانات ہیں ان کے ہم پر۔" امی نے کہا تو وہ سٹپٹا گئی۔ ابوبکر نے نکاح ختم کردیا ہے اور امی اسے ان کے گھر لے جانے پر تیار۔

"امی جان میں کیسے ؟" اس نے منع کیا۔

"تمہاری دوست کا بھی تو گھر ہے۔ اور تمہیں بھی اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ بہت نبھائی ہے اس نے دوستی۔" فروا نے کہا لیکن اس کا دل تیار نہیں تھا۔

"امی آپ مجھے گھر کی چابی دیں۔ میں کچھ دیر ادھر بیٹھ جاؤں گی۔" اس نے فیصلہ کیا۔ امی نے بحث نہیں کی اور چابی اسے پکڑا دی۔ وہ دونوں نبیہہ کے گھر کی طرف بڑھ گئیں۔ اس نے دروازہ کھولا تو ایک بار پھر ماضی کی تلخ یادیں اس کو ستانے لگیں۔ اسے یاد آگیا۔ کیسے ایک بار وہ تین ماہ تک اس کا کرایہ نہ دے سکی تھیں۔ مالک مکان نے جینا حرام کردیا تھا اور تبھی امی نے اپنے باقی ماندہ زیورات بیچ کر اس مکان کو خرید لیا تھا۔ لیکن ساتھ ہی انہوں نے مالک مکان سے درخواست بھی کی تھی کہ وہ اس بات کا پتا فقیہ الدین کو نہ چلنے دے۔ اور اس نے زبان بندی کا وعدہ کرلیا تھا۔ فقیہ الدین تو ویسے بھی چار چار ماہ ان کی خبر نہ لیا کرتا تھا' نہ ہی اسے اس بات کی پروا تھی کہ آخر وہ اپنی زندگی کیسے گزار رہے ہیں۔ اس نے ایک ایک چیز جھاڑی۔ مٹی صاف کی اور صحن میں رکھی چارپائی پر لیٹ گئی۔ آزادی کا احساس کتنا روح پرور ہوتا ہے تم نہیں فقیہ الدین کے ظلم و ستم سے نجات مل گئی تھی۔ اب وہ آزادی سے اپنی زندگی گزار سکتی تھیں... عزت کی زندگی۔ انہوں نے یہ جاننے کی کوشش ہی نہ کی تھی کہ اپنے ہی بھتیجے نے ان کا قتل کیوں کرڈالا ؟ ایک رسم دنیا نبھانی تھی سو نبھا ڈالی اور ابوبکر... خیال کا دھارا پھر اس شخص کی طرف مڑ گیا۔

"ہے بدتمیز لڑکی یہ کیا طریقہ ہے۔ یہاں کیوں آگئیں ؟" نبیہہ فوں فوں کرتی اندر داخل ہوئی تھی۔

"آجاؤ۔" وہ اٹھ بیٹھی بس دل چاہ رہا تھا اس گھر سے۔ بہت ساری یادیں وابستہ ہیں نا۔ میں نے کہا دیکھتی چلوں۔ تم سناؤ کیسی ہو ؟ میں نے تمہارا شکریہ ادا کرنا تھا تمہاری وجہ سے آج ہم زندہ ہیں... اوکے شٹ اپ ! زندگی عزت' موت' ذلت سب کچھ اوپر والے کے ہاتھ میں ہے۔" نبیہہ نے اس کی بات کاٹی تھی لیکن اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ "وہ میں ابوبکر

صاحب کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔ اگر اس وقت وہ مجھ سے نکاح نہ کرتے تو شاید آج میں اس قاتل کی بیوی ہوتی۔۔۔۔ بہرحال تم میری طرف سے ان کا شکریہ ادا کر دینا اور تمہارا احسان بھی میں زندگی بھر نہ بھولوں گی۔" وہ سر جھکائے بولے جا رہی تھی۔

"تمہیں ہو کیا گیا ہے پاگل؟" نبیہہ نے اس کا سر اوپر اٹھایا۔

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ نچلے ہونٹ کا داہنا کونا دانتوں میں دبائے وہ جانے کس کرب کو لبوں تک آنے سے روک رہی تھی۔ شاید باپ کی موت کا دکھ۔ کچھ بھی تھا' آخر کو باپ ہی تھا۔

"سنو! بتاؤ مجھے۔ انکل کی وفات پر رو رہی ہو یا کوئی اور دکھ۔۔۔۔ جلدی بولو۔۔۔۔ جلدی اس سے پہلے کہ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے اور میں بھیا کو بلاؤں پھر وہ خود ہی تمہاری اشک شوئی کر لیں گے۔" اس نے مسکراتے ہوئے دھمکی دی تھی۔

ندا نے عجیب سی نظروں سے اپنی دوست کو دیکھا پھر سر جھکا کر بولی۔

"وہ میری اشک شوئی کیوں کریں گے۔ اور کس ناتے سے؟

"کس ناتے سے؟ شاید تم بھول رہی ہو۔ تمہارے سب حقوق وہ اپنے نام لکھوا چکے ہیں۔" اس نے آنکھیں دکھائیں۔

"زبردستی اور مجبوری کے رشتے دیرپا نہیں ہوتے۔ میں ان کی احسان مند ہوں کہ انہوں نے مجھے تمہاری دوست ہونے کے ناتے شیلٹر فراہم کیا اور اب شاید اس کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ وہ وجہ ہی ختم ہو گئی۔ اور اسی لیے انہوں نے کل رات ابا کے ختم ہوتے ہی طلاق کے کاغذات بھی دے دیے۔ بہرحال اگر اس رات یہ مجھ سے نکاح نہ کرتے تو شاید میں جیل کی سلاخوں کے پیچھے سڑ رہی ہوتی۔ گھر سے بھاگنے کے جرم میں۔" اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ جسے اس نے منہ دوسری طرف کر کے چھپایا' ساری عمر بھاگتے ہی گزر گئی تھی۔ کبھی کسی سے فرار تو' کبھی کسی سے' حد ہو گئی تھی کہیں کوئی ٹھکانہ' کوئی سرائے ہو تو سہی۔ بندہ کچھ دیر رک کر ستالے۔ نبیہہ نے حیرانی سے اس کی باتیں سنی تھیں اور چپ چاپ لوٹ گئی تھی۔ ایسا کس طرح ہو سکتا تھا۔ وہ اپنے بھائی کی بے چینیوں سے واقف تھی گواہ تھی۔ وہ کیسے اس سرپھری لڑکی کے عشق میں مبتلا تھا۔ اور جب ابا جی نے بلا کر اسے اچانک ندا سے نکاح کرنے کا کہا تھا تو اس کی جو کیفیت تھی وہ بیان نہیں کی جا سکتی تھی۔ ندا اس کی ہو گئی تھی اس احساس نے اسے کئی راتیں جگائے رکھا تھا۔ وہ ساری ساری رات اس کے بارے سوچتا تھا اور صبح اٹھ کر نبیہہ سے ایک ہی سوال کرتا تھا۔

"حالات ٹھیک ہوتے ہی کہیں وہ طلاق نہ مانگ لے۔ میں جانتا ہوں وہ مجھے پسند نہیں کرتی۔" خدشات اس کے لبوں پر آتے تو نبیہہ ہنس پڑتی۔

"آپ مت دیجیے گا طلاق۔ وہ سرپھری ہے تو آپ بھی ضد پر اڑ جائیں۔"

"نہیں زبردستی میں مزا نہیں۔ میں محبت کے جواب میں ڈبل محبت لینے کا خواہش مند ہوں۔ یہ صبر' جبر اوں۔۔۔۔ ہوں۔۔۔۔ مجھ سے نہیں ہو گا۔" وہ منہ بناتا۔ وہ ایک دم سے بڑی اماں بن کر سمجھانے بیٹھ جاتی۔

"اتنی پاگل نہیں ہے وہ بھی' بلاوجہ کے خدشوں سے دل خراب مت کریں۔ میں منالوں گی اسے حالات ٹھیک ہو جائیں پھر آپ مجھے لے چلنا اس کے پاس۔ وہ دل کی بہت نرم ہے' ضرور نکاح کے بعد اس نے آپ کے بارے میں سوچا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے نکاح کے بولوں میں بڑی تاثیر رکھی ہے بھیا۔" اور اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر امید جاگ جاتی۔ خدا گواہ تھا۔ اس نے وقتی لمحوں میں صرف اس کو سہارا دینے کے لیے نکاح نہیں کیا تھا۔ وہ تو اپنی دعاؤں کے بار آور ہونے پر خوش تھا۔ جیسے بھی ہو رہا تھا وہ اس کی منکوحہ بن گئی تھی۔ ورنہ جس طرح ابا جی نے منع کیا تھا وہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا حالات کبھی سازگار ہوں گے۔ شکر ہے انسان کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں۔ لیکن ندا نے جو کچھ کہا تھا وہ بھی غلط نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ سب کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں تیرتے پانی نے اس کے دل کے سب حالات بیان کرڈالے تھے۔ اسے خوشی ہوئی تھی اس کے بھائی کی محبت رائیگاں نہیں تھی۔ وہ سرپھری لڑکی بھی اس آگ میں جلنے لگی تھی۔ جس میں کئی سالوں سے اس کا بھائی اکیلا ہی سلگ رہا تھا۔ وہ بھائی کو یہ خوش خبری دینا چاہتی تھی لیکن اس سے پہلے وہ کنفرم کرنا چاہتی تھی کہ جو کاغذات ابوبکر نے آنٹی کو دیے تھے کیا واقعی وہ طلاق کے کاغذات تھے؟

☼ ☼ ☼

"امی آپ نے سوچا ہے آپ کے جانے کے بعد میں کیا کروں گی؟ کہاں جاؤں گی؟" وہ رو رو کر بے حال ہوئی جارہی تھی۔

"بیٹا مجبوری ہے۔ مجھے ایک بار جانا پڑے گا۔ حوریہ اور زارا کی شادی کرنا ہے۔ بھیا بلا رہے ہیں۔ گزرتے سالوں میں تو فقیہ الدین کے خوف نے مجھے ان کے پاس جانے ہی نہیں دیا۔ بڑی مشکل سے دوبارہ ویزہ لگوایا ہے بھیا نے۔ کچھ دن رہ کر آجاؤں گی۔ ان کا بھی تو حق ہے مجھ پر اور تم کیوں پریشان ہو رہی ہو۔ اتنی کمزور تم پہلے تو کبھی نہ تھیں؟ میں فروا سے کہوں گی۔ تمہیں اپنے ساتھ لے جائے یا پھر تمہارے پاس آجائے کچھ دنوں کے لیے۔" وہ اپنی پیکنگ کررہی تھیں اور ساتھ ساتھ اسے سمجھا بھی رہی تھیں۔

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے امی کہ آپ وہاں جاکر واپس نہیں آئیں گی وہیں رہ جائیں گی ....!" اس کا خدشہ بالآخر لبوں پر آہی گیا تھا۔

"سب وہم ہے تمہارا اور پھر مجھے واپس آکر تمہاری بھی تو شادی کرنا ہے۔ ابوبکر تو ....!" انہوں نے کچھ کہتے کہتے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"ہاں ابوبکر نے تو چادر اوڑھا کر کھینچ بھی لی۔" اس نے آہ بھر کر سوچا تھا۔

"سنو .... ندا ابوبکر سے تمہاری کوئی انگجمنٹ تو نہیں ہوگئی تھی ....؟" انہوں نے اچانک ہی غیر متوقع سا سوال پوچھا۔ وہ گڑبڑا گئی۔

"نن .... نہیں کیوں بھلا؟" وہ صاف مکر گئی اور دل نے ہر بار کی طرح اس دفعہ بھی اس کا ساتھ نہیں دیا تھا۔

"چلو اچھا ہے۔" انہوں نے سوٹ کیس بند کیا اور باہر نکل گئیں۔ اور وہ پھر بے اختیار ابوبکر کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔ شام میں نبیہہ آگئی۔ ہنستی مسکراتی شاپنگ بیگز سے لدی پھندی۔

"ہائے تھک گئی۔ ایک کپ گرما گرم چائے تو پلا دو۔ بہت تھکن ہو رہی ہے۔ سچ میں بہت مشکل ہے بازاروں میں پھرنا۔" اسے کہہ کر وہ سب کچھ باہر نکالنے لگی۔ وہ جلدی سے کچن میں آگئی۔ کپڑوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ شادی کے ہیں۔ چائے کا پانی اوپر رکھ کر اس نے پلیٹ میں نمکو اور بسکٹ نکالے۔ تبھی وہ اس کے پیچھے ہی آگئی۔

"میں نے تمہارا شکریہ ابوبکر بھائی تک پہنچا دیا تھا۔" وہ آتے ہی پھر بولنے لگی۔ ندا نے انجان بننے کی کوشش کی۔

"بہت ہنسے۔ کہنے لگے شکریہ تو مجھے ادا کرنا ہے کیونکہ اس دن اباجی کی بات مان کر انہوں نے جس فرمانبرداری کا ثبوت دیا۔ اس کے عوض اباجی ان کی شادی ان کی من پسند لڑکی سے کرنے پر راضی ہوگئے ہیں۔ بہت خوش ہیں وہ۔ مجھ سے پوچھ رہے تھے۔ کہیں اس رشتہ کو ختم کرنے سے ندا کو کوئی مسئلہ تو نہیں ہوگا۔ میں نے کہہ دیا۔ ہرگز نہیں بلکہ وہ تو بہت خوش ہوگی۔ وہ کونسا آپ کے عشق میں مر رہی ہے۔ ضرورتاً ایک رشتہ جوڑا گیا تھا۔ اور بس۔ چلو آؤ نا میں تمہیں شاپنگ دکھاؤں بھائی نے خود کی ہے۔ بہت خوش قسمت ہے وہ لڑکی۔" وہ اپنی ہی دھن میں بولے جارہی تھی۔ اس بات سے بے خبر کہ دوسری سمت منہ کیے وہ پاگل سی لڑکی دھواں دھار رونے میں مشغول تھی۔

"توبہ ہے ندا۔ اب آبھی چکو۔" نبیہہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تو وہ پھٹ پڑی۔

"کیسی دوست ہو تم، تمہیں احساس تک نہیں کہ تمہارے بھائی نے میرے ساتھ کیسی زیادتی کی ہے۔ پہلے ایک تعلق باندھا' پھر توڑ دیا۔ میرے کوئی جذبات نہیں۔ بنا پوچھے نکاح کر دیا۔ بنا پوچھے توڑ دیا۔ اتنے بے حس ہیں تمہارے بھائی صاحب کہ اپنے عشق کے سامنے انہیں ساری دنیا ہیچ لگ رہی ہے۔ انہوں نے ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں سوچا.... کہ یہ نام نہاد رشتہ کسی کے دل کو تہ و بالا کر سکتا ہے۔ اپنی محبت کو پانے کی خوشی میں وہ میرا دل ہی بھول گئے۔ کیوں....؟ قصور ان کا نہیں میرا ہے۔ بالکل میرا' مجھے ان کے بارے میں سوچنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ رشتہ انہوں نے مجبوری میں باندھا.... اور وہ کسی اور سے محبت کرتے ہیں۔ مجھے نہیں دیکھنا کچھ بھی۔ تم بھی بے حس اور ظالم ہو اپنے اس بے رحم بھائی کی طرح۔ جاؤ تم پلیز جاؤ تم۔" وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر سسک اٹھی۔

دل یوں ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا کہ سمیٹنا مشکل لگ رہا تھا۔

سب نے اسے مل کر کھلونا ہی بنا ڈالا تھا۔ اس نے جیسے کچھ سنا ہی نہیں۔

"اچھا باقی نہیں۔ یہ مایوں کا جوڑا ہی پسند کر لو۔" نبیہہ بھی آج تنگ کرنے کا تہیہ ہی کیے بیٹھی تھی اس نے جوڑا اس کے آگے لا رکھا۔

اس کا تو دماغ ہی گھوم گیا۔ کیا ہو گیا تھا نبیہہ کو؟ کیوں اتنا ذلیل کر رہی تھی اسے اس نے جوڑا اٹھا کر گھما کر دروازے کی طرف پھینکنا چاہا تھا لیکن اس کے ہاتھ وہیں رک گئے۔ نبیہہ کی جگہ ابوبکر کو دیکھ کر اس کے تو اوسان خطا ہو گئے۔ کہیں وہ ساری باتیں انہوں نے سن تو نہیں لیں۔ ابھی تو یہاں نبیہہ کھڑی تھی۔ پھر یہ کہاں سے آ گئے۔ وہ رونا دھونا' دکھ تکلیف' بھول بھال بھاگنے کے چکر میں تھی۔ جب اچانک ابوبکر نے آگے بڑھ کر اس کا بازو تھام لیا۔ اسے لگا وہ ابھی گر جائے گی۔

"چھوڑیں مجھے.... اور شرم نہیں آتی آپ کو کس ناتے سے آپ میرا ہاتھ پکڑ رہے ہیں۔ جائیں اس کے پاس جس کے عشق میں مرے جا رہے ہیں۔ چھوڑیں مجھے۔" وہ غصے سے بولی۔ ابوبکر نے بازو پر گرفت مضبوط کر لی۔ اور اپنی گہری بھوری آنکھیں اس کے سرخ چہرے پر جما دیں۔ اور ندا کو زیر کرنے کے لیے وہ لمحہ ہی کافی تھا۔ وہ مزید غصہ نہیں دکھا سکی۔ دوسرا ہاتھ منہ پر رکھے رونے لگی۔

"یا اللہ پھر رونا دھونا۔ ارے تم اس طرح بالکل اچھی نہیں لگتی ہو۔ تمہارے اس پہلے والے روپ پر تو فدا ہیں ہم۔" ابوبکر نے تھوڑا سا آگے ہو کر سرگوشی کی تھی۔ وہ سٹپٹا گئی۔ لیکن فوراً" ہی خود پر قابو پالیا۔

"بے وقوف بنانے کی ضرورت نہیں۔ میرا ہاتھ چھوڑیں۔ جب رشتہ ختم کر چلے ہیں تو پھر...." اس نے پورا زور لگایا۔ ابوبکر نے خود ہی گرفت ڈھیلی کر

دی۔ نرم و نازک کلائی پر انگلیاں ثبت ہی ہو گئی تھیں۔

"کس نے کہا میں نے رشتہ ختم کر دیا ہے؟" وہ سنجیدہ ہوا تھا۔

"اس دن امی کو جو کاغذات دے کر گئے ہیں۔ وہ کیا پراپرٹی کے تھے؟" وہ جل کر بولی تھی۔ ابوبکر چونکا وہ تو یہ سارا رونا دھونا اس کا تھا۔

"اف اللہ!" اس نے ماتھا پیٹ لیا۔

"تم واقعی عقل سے پیدل ہو ایک بار کھول کر تو دیکھ لیتیں۔ وہ آنٹی کے ویزہ اور ٹکٹ تھی۔"

"لیکن ایک طرح سے اچھا ہی ہوا۔ تمہاری غلط فہمی نے تمہارے دل کا حال تو کھول دیا۔ ورنہ جتنی سر پھری تم ہو۔ ضد میں آکر ساری عمر اپنے دل کی بات نہ بتاتیں' اور میں تمام عمر اسی آگ میں جل کر خاک ہو جاتا میں نے تو سنا تھا کہ عورت کے اندر ایک آلہ لگا ہوتا ہے۔ جو مرد کی ہر نظر کی پرکھ کرتا ہے اور اس کو بتاتا رہتا ہے۔ تمہاری حسیات کیا انکل فقیہ الدین کے جبر نے سلا دی تھیں کہ تمہیں کبھی محسوس نہ ہوا۔ کہ یہ چھ فٹا' سالم مرد تمہارے عشق میں کس بری طرح مبتلا ہے؟"

"کیا؟" اب کی بار وہ چونکی۔

"ہاں بے وقوف لڑکی۔ وہ تم ہی تھیں۔ میں نے بہت پہلے نبیہہ کو بتا دیا تھا کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ کیا نبیہہ نے کبھی تم سے نہیں کہا۔ یہ تو ابا جی کو تمہارے والد صاحب کی حرکتوں پر اعتراض تھا اس لیے انہوں نے سختی سے منع کر دیا تھا۔ لیکن جب تم لوگوں نے ہمارے گھر آکر پناہ چاہی تو یہ ابا جی ہی تھے جنہوں نے مجھے بلا کر تمہارے بارے میں پوچھا تھا اور میرے اقرار پر انہوں نے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اور مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ کسی بھی مشکل وقت میں' میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گا اور اسی رات جب تمہارے والد صاحب نے پولیس سے ساز باز کر کے ہمارے گھر پر ریڈ کی تھی تمہارے اغوا کرنے کا پرچہ کٹوایا تھا' تو ابا جی نے تمہیں میری منکوحہ ثابت کیا تھا اور کہا تھا کہ ہم دونوں ہنی مون پر ہیں۔ اور تمہیں شاید علم نہیں پورا ڈیڑھ ہفتہ میں' اپنے دوست کے گھر رہا تھا۔ یہ اور بات کہ ہمارے نکاح اگلے دن ہی فروا اور معاذ ہنی مون پر چلے گئے تھے۔ اور ادھر ہم ہیں۔

ہنی مون تو دور کی بات کوئی چینی کی بات تک نہیں کر رہا۔ چینی یعنی میٹھا۔ اوپر سے نمک کے پہاڑ پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے مجھ غریب کے زخموں پر نمک چھڑکا جا رہا ہے۔ حد ہے۔ بھئی تم نے بھی کس پتھر سے سر پھوڑا ہے یار ابوبکر۔" بات مکمل کر کے انہوں نے خود پر ترس کھاتے ہوئے دزدیدہ نگاہوں سے۔ جوتے کا کونہ فرش پر مارتی ندا کو دیکھا تھا' اس کے تو گویا سب الفاظ ہی ختم ہو گئے تھے۔ وہ یکایک ہی اپنی نظر میں معتبر ہو گئی تھی۔ آج تک کی ساری زندگی گویا فضول اور بے فائدہ تھی۔ فقیہ الدین کے غم میں گھل گھل کر اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ مرد ایسا بھی ہوتا ہے۔ وہ محبت بھی کرتا ہے اور عزت بھی دیتا ہے۔

فقیہ الدین کا چیپٹر کلوز ہو گیا تھا اور ان کے زخم میں مندمل۔ اور اس کے سامنے ایک اور مرد آکر کھڑا ہو گیا تھا محبت کا دعویٰ کرتا۔

عزت دینے کا ارادہ لیے ہوئے اور اس کا دل کہتا تھا۔ اعتبار کر لو۔ اور اس نے سارے اندیشے۔ سارے وہم دل سے بھلا کر اعتبار کرنے کی ٹھان لی تھی۔ ہمیشہ وہم نہیں کرتے۔ خدا سے جیسی امید رکھو ویسا ہی ملتا ہے۔

"تو پھر اس جمعے کو بارات لے کر آجاؤں؟" ابوبکر کی آواز اسے خیالوں کی دنیا سے باہر لے آئی۔ وہ پرشوق نگاہوں سے اسے تک رہا تھا۔ اس کے دل پہ چھایا غبار چھٹ گیا۔

"بارات کے لیے جمعہ کا انتظار کیوں کرنا.... منکوحہ ہوں کہیں تو ابھی امی رخصتی کر دیں۔" وہ شرارت سے کہتی باہر بھاگی تھی۔ اور ابوبکر کے زوردار قہقہے نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

☆ ☆